

# فضائل قرآن

سیر ابوالاعلیٰ مودودی

ترجمہ: حفیظ الرحمن احسن



سلسلہ شریعت (۲)

# فضائل قرآن

مشکوٰۃ المصابیح کے باب کتاب فضائل القرآن

عام فہم مطالب کے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

جمع و تدوین

حفیظ الرحمن احسن

البدیع پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

## فہرست

۷	عنوانِ مرتبہ
۱۰	مکتبۃ المدینہ
۱۳	ابتدائیہ
	<u>فصل اوّل</u>

۱۷	۱۔ منہج قرآن کی فضیلت
۱۸	۲۔ قرآن کی تعلیم دینا، دنیا کے بہترین مال و دولت سے بہتر ہے
۲۰	۳۔ قرآن — سب سے بڑی دولت ہے
۲۲	۴۔ قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنا بھی باعثِ برکت ہے
۲۴	۵۔ رشک کے قابِ صرف دو آدمی ہیں
۲۶	۶۔ قرآن مجید اور مومن کا تعلق
۲۸	۷۔ قرآن — دنیا اور آخرت میں سرِ بلندی کا ذریعہ
۳۰	۸۔ قرآن پڑھنے کی آواز سن کر غرضتے جمع ہو جائیں
۳۱	۹۔ قرآن پڑھنے والے پر ”سکینت“ نازل ہوتی ہے
۳۳	۱۰۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت — سورۃ فاتحہ
۳۴	۱۱۔ قرآن سے گھرؤں کو آباد کرو
۳۸	۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کر آئے گا
۴۱	۱۳۔ سورۃ البقرہ اور آل عمران اہل ایمان کی پیشوائی کریں گی۔
۴۲	۱۴۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت — آیۃ النکاحی



- ۳۶- ۱۵۔ آیۃ الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ
- ۵۱- ۱۶۔ دو نذر — جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے
- ۵۳- ۱۷۔ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت
- ۵۵- ۱۸۔ سورۃ کہف کی پہلی دس آیتوں کی فضیلت
- ۵۶- ۱۹۔ سورۃ انفلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے
- ۵۷- ۲۰۔ سورۃ انفلاص — اللہ کے مقرب کا ذریعہ
- ۵۹- ۲۱۔ سورۃ انفلاص سے محبت جنت میں داخلے کا سبب ہے
- ۶۱- ۲۲۔ متوذنین — دو بے نظیر سورتیں
- ۶۲- ۲۳۔ قرآن کے الفاظ میں سچی برکت ہے

### فصل ثانی

- ۶۶- ۲۴۔ قیامت کے روز کی تین فیصلہ کن چیزیں — قرآن۔ امانت —
- قرابت و ادبی
- ۷۲- ۲۵۔ صاحب قرآن کا درجہ
- ۷۳- ۲۶۔ جس سینے میں قرآن نہیں وہ ایک ویرانہ ہے
- ۷۴- ۲۷۔ اللہ کا کلام دوسرے کلاموں سے اُسی طرح افضل ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ
- ۷۶- ۲۸۔ قرآن کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں
- ۷۷- ۲۹۔ قرآن ہر زمانے کے فتنوں سے بچانے والا ہے
- ۸۲- ۳۰۔ حامل قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنایا جائے گا

## باب

### فصل اول

- ۸۴- ۳۱۔ قرآن کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے



- ۸۵ ۳۲۔ قرآن کو یاد کر کے مجاہد دینا بہت بُری بات ہے
- ۸۶ ۳۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال
- ۸۷ ۳۴۔ قرآن کو دلجمعی اور بیکسوئی کے ساتھ پڑھو
- ۸۸ ۳۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ قرأت
- ۸۹ ۳۶۔ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا اللہ کو بہت محبوب ہے
- ۹۰ ۳۷۔ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا اللہ کو محبوب ہے
- ۹۱ ۳۸۔ جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے وہ ہم سے نہیں
- ۹۲ ۳۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — قرآن — اور فریضہ شہادتِ سنی
- ۹۳ ۴۰۔ علمِ قرآن کی برکت سے حضرت اُبی بن کعب کا اعزاز
- ۹۴ ۴۱۔ قرآن کو دشمن کی سرزمین میں نہ لے جاؤ

### فصل ثانی

- ۹۷ ۴۲۔ اصحابِ مُتفقہ کی فضیلت
- ۱۰۲ ۴۳۔ قرآن خوش آوازی سے پڑھو
- ۱۰۳ ۴۴۔ قرآن کو پڑھ کر مجاہد دینا بہت بُری محرومی ہے
- ۱۰۴ ۴۵۔ تین دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرو
- ۱۰۵ ۴۶۔ علانیہ اور چھپا کر قرآن پڑھنے کی مثال
- ۱۰۶ ۴۷۔ قرآن پر ایمان کس کا مستبر ہے
- ۱۰۷ ۴۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ قرأت
- ۱۰۸ ۴۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ قرأت
- ۱۰۹ ۵۰۔ بچہ لوگ قرآن کو وسیلہ دنیا بنالیں گے
- ۱۱۰ ۵۱۔ قرآن کو گریز اور بین کرنے والیوں کی طرح نہ پڑھو

کی وضاحت کی گئی تھی۔ ۱۰ ہفتہ وار درس قرآن و حدیث کا یہ سلسلہ سالانہ  
سال جاری رہنے کے بعد ستمبر ۱۹۶۹ء میں مولانا نے محترم کی کمزور صحت  
کی بنا پر موقوف ہو گیا۔

افسوس ہے کہ ”کتاب القیوم“ کی طرح یہ مجموعہ بھی سید محترم کی نظر ثانی  
کے بغیر شائع کرنا پڑا ہے۔ راقم الحروف کی یہ دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل  
خاص سے مولانا نے محترم کو اتنی صحت و قوت سے نوازدے کہ وہ حدیث کے  
ان تشریحی مجموعوں پر مکمل نظر ثانی فرما سکیں تاکہ ان کا علمی پایہ اعتبار موصوف کی دوسری  
علمی و تحقیقی تصنیفات کے معیار تک پہنچ جائے۔ وَمَا ذَلِكَ عَالِي اللَّهِ بَعِزًّا  
\_\_\_\_\_ اہل علم سے میری یہ گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کوئی علمی فروگزاشت  
پائیں تو اسے میری کوتاہی علم پر محمول کریں اور مجھے اس سے آگاہ کر کے ممنون فرمائیں تاکہ  
آئندہ طلباء کے موقع پر اس کی اصلاح و تلافی کی کوشش کر سکوں۔

خدا نے بزرگ و بڑے کے حضور میری یہ دعا ہے کہ اس کتاب کی جمع و تدوین کے  
سلسلہ میں جو تھوڑی بہت محنت و کوشش بن پڑی ہے وہ اسے شرف  
قبول سے نوازے اور حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفہیم کے اس  
گلدستے کو اسی طرح مفید و نافع بنائے جس طرح اس نے سید محترم کے دوسرے دینی  
سرمایہ علم کو اس شرف خاص سے مشرف فرمایا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ پیش نظر کتاب ”حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام“  
کے مشہور و مقبول مجموعے مشکوٰۃ المصابیح کے جبرئیل کتاب فضائل قرآن“ میں سے  
منتخب احادیث کی تشریح پر مشتمل ہے۔ احادیث کے آغاز میں جو جھڑپ لکھے گئے  
ہیں وہ مشکوٰۃ کے متن کا حقیقہ نہیں ہیں بلکہ یہ راقم الحروف نے احادیث کے اہم

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

## عرضِ مُرتب

”کتاب الصوم“ کے بعد ”فضائل قرآن“ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ”کتاب الصوم“ کی طرح یہ کتاب بھی خدو می مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کے ہفتہ وار درس حدیث سے مرتب کی گئی ہے۔ یہ درس اس سے پہلے ہفت روزہ ”آئین“ لاہور میں شائع ہونے لگے۔ اب ان پر مزید نظر ثانی کرنے کے بعد ان کو پہلی مرتبہ کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس موقع پر دو امور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے: اولاً یہ کہ اس کتاب کو مولانا نے محترم کی اپنی تحریر کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ مرتب نے تقریری مواد کو ٹیپ ریکارڈز کی مدد سے تحریر کے سلیپے میں ڈھالا ہے۔

ثانیاً یہ کہ پیش نظر درس حدیث کو ان درسوں پر قیاس نہ کیا جائے جو دینی مدارس میں حدیث کے طالب علموں کے سامنے دیے جاتے ہیں، بلکہ یہ درس ہفتہ وار اجتماعات میں افادہ عام کے لیے دیے گئے تھے اور ان میں مخالفین کی ذہنی سطح اور ضرورت کو ملحوظ رکھ کر مطالب حدیث



کے مشورے اور ایمان پر مرتب کی، اور جب یہ مرتب ہو چکی تو ان کے استاذ محترم نے خود اس کی ایک جامع شرح ”الکاشف عن حقائق الشَّيْنِ“ کے نام سے تحریر کی۔

مشکوٰۃ المصابیح کی اہمیت اور خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ امام بغویؒ کی مصابیح السنۃ کی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لی جائے:

۱۔ مصابیح السنۃ میں احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا اور ہر باب میں دو فصلیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک فصل میں صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ احادیث جمع کی گئی تھیں اور دوسری فصل میں ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہم کی روایات کو جگہ دی گئی تھی۔

۲۔ صاحب مصابیح نے احادیث کو ان کے راویوں اور متعلقہ کتب احادیث کے حوالے کے بغیر جمع کیا تھا۔ اس سے طالبان حدیث کو ان احادیث کے مصادر و مآخذ کا پتہ لگانے، اور باعتبار سند ان کی صحت اور مقام و مرتبہ کے تعین میں مشکل پیش آتی تھی۔

مصابیح السنۃ کے مقابلے میں مشکوٰۃ المصابیح میں:

۱۔ صاحب مشکوٰۃ نے مصابیح السنۃ کی پہلی دو فصلوں پر ایک تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا ہے، اور احادیث کا انتخاب کرتے ہوئے صحاح ستہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) کے علاوہ شعب الایمان، بیہقی، احمد، امام احمد اور مسند زین وغیرہ کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اس طرح موضوع کی مناسبت سے بہت سی مزید اہم احادیث اس مجموعہ میں آگئی ہیں۔ مصابیح میں احادیث کی تعداد ۳۴۴۳۴ تھی جبکہ

مشکوٰۃ میں یہ تعداد ۵۹۴ ہو گئی۔

چونکہ مشکوٰۃ المصابیح تمام مستند کتب احادیث کا ایک مختصر لیکن جامع اور موقع انتخاب ہے اس لیے اس کو طلبہ حدیث، علماء اور عام مسلمانوں میں جو قبول عام حاصل ہوا وہ اس نوع کی کم ہی کتابوں کو نصیب ہوا ہے۔ یہ کتاب مختلف فقہی مکاتب فکر میں یکساں مقبول و درودج ہے اور دینی درس گاہوں میں عام طور پر سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اُن شرحوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اب تک عربی، اردو اور بعض دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ کتب حدیث میں تحقیق کے بعد یہ اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہوا ہے۔ عربی شرحوں میں علامہ الطیلسیؒ کی شرح (جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)، 'مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيحِ' (ملا علی قاریؒ)، 'مَلْعَاتُ' (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)، 'التَّغْلِيْقُ الْقَبِيْحُ' (مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ) اور 'مَنْهَاجُ الْمَشْكُوَّةِ' (عبدالعزیز الابرہیؒ) اہم ہیں۔ فادسی میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح 'آشِقَةُ اللَّعَنَاتِ' معروف ہے۔ اردو میں مولانا عبد الغفور غزنویؒ کا ترجمہ و حواشی (جو آج کل نایاب ہے) اور مولانا قطب الدینؒ کی مفظاھر حق قابل ذکر ہیں۔ ایک انگریزی ترجمہ بھی ۱۹۵۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ قریبی زمانے میں پروفیسر عبد الحمید صدیقی صاحب نے بھی مشکوٰۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ترجمہ جلد شائع ہو جائے گا۔ مشکوٰۃ المصابیح کے مختلف اجزاء پاکستان کے مختلف تعلیمی نصابوں میں شامل ہیں۔

(مرتبہ)



## مشکوٰۃ المصابیح

پیش نظر کتاب حدیث نبویؐ کے مشہور و مقبول مجموعہ مشکوٰۃ المصابیح کے ایک مجرّد کتاب فضائل القرآن کی شرح پر مشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکوٰۃ کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے۔

مشکوٰۃ المصابیح آٹھویں صدی ہجری کے ایک متبحر عالم و فقیہ اور جلیل القدر محدث ولی الدین محمد بن عبد اللہ تبریزیؒ کی تالیف ہے۔ اس کی بنیاد مشہور محدث، مفسر اور فقیہ امام بغویؒ کے مرتب کردہ مجموعہ حدیث "مصابیح السنّة" پر رکھی گئی ہے، جس کی تہذیب و اصلاح کر کے مزید احادیث کے اضافے سے نیا مجموعہ مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے تہذیب دیا گیا۔

مشکوٰۃ المصابیح اور اس کے مؤلف علامہ تبریزیؒ کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنے جلیل القدر استاد علامہ حسین بن عبد اللہ الطیلسیؒ

---

نے افسوس ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت و وفات کی تحقیق نہیں ہو سکی تاہم یہ معلوم ہے کہ وہ مشکوٰۃ کی تالیف سے ۳۲۳ھ میں فارغ ہوئے۔

۳۲۳ھ میں ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغویؒ وفات پائی

۳۲۳ھ میں وفات پائی



کے مشورے اور ایمان پر مرتب کی، اور جب یہ مرتب ہو چکی تو ان کے استاذ محترم نے خود اس کی ایک جامع شرح ”الکاشف عن حقائق الشَّيْنِ“ کے نام سے تحریر کی۔

مشکوٰۃ المصابیح کی اہمیت اور خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ امام بغویؒ کی مصابیح السنۃ کی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لی جائے:

۱۔ مصابیح السنۃ میں احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا اور ہر باب میں دو فصلیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک فصل میں صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ احادیث جمع کی گئی تھیں اور دوسری فصل میں ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہم کی روایات کو جگہ دی گئی تھی۔

۲۔ صاحب مصابیح نے احادیث کو ان کے راویوں اور متعلقہ کتب احادیث کے حوالے کے بغیر جمع کیا تھا۔ اس سے طالبان حدیث کو ان احادیث کے مصادر و مآخذ کا پتہ لگانے، اور باعتبار سند ان کی صحت اور مقام و مرتبہ کے تعین میں مشکل پیش آتی تھی۔

مصابیح السنۃ کے مقابلے میں مشکوٰۃ المصابیح میں:

۱۔ صاحب مشکوٰۃ نے مصابیح السنۃ کی پہلی دو فصلوں پر ایک تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا ہے، اور احادیث کا انتخاب کرتے ہوئے صحاح ستہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) کے علاوہ شعب الایمان، بیہقی، احمد، امام احمد اور مسند زین وغیرہ کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اس طرح موضوع کی مناسبت سے بہت سی مزید اہم احادیث اس مجموعہ میں آگئی ہیں۔ مصابیح میں احادیث کی تعداد ۳۴۴۴ تھی جبکہ

مشکوٰۃ میں یہ تعداد ۵۹۴ ہو گئی۔

چونکہ مشکوٰۃ المصابیح تمام مستند کتب احادیث کا ایک مختصر لیکن جامع اور موقع انتخاب ہے اس لیے اس کو طلبہ حدیث، علماء اور عام مسلمانوں میں جو قبول عام حاصل ہوا وہ اس نوع کی کم ہی کتابوں کو نصیب ہوا ہے۔ یہ کتاب مختلف فقہی مکاتب فکر میں یکساں مقبول و درودج ہے اور دینی درس گاہوں میں عام طور پر سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اُن شرحوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اب تک عربی، اردو اور بعض دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ کتب حدیث میں تحقیق کے بعد یہ اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہوا ہے۔ عربی شرحوں میں علامہ الطیلسیؒ کی شرح (جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)، 'مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيحِ' (ملا علی قاریؒ)، 'مَلْعَاتُ' (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)، 'التَّغْلِيْقُ الْقَبِيْحُ' (مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ) اور 'مَنْهَاجُ الْمَشْكُوَّةِ' (عبدالعزیز الالبهریؒ) اہم ہیں۔ فادسی میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح 'آشِقَةُ اللَّعَنَاتِ' معروف ہے۔ اردو میں مولانا عبد الغفور غزنویؒ کا ترجمہ و حواشی (جو آج کل نایاب ہے) اور مولانا قطب الدینؒ کی مفظاھر حق قابل ذکر ہیں۔ ایک انگریزی ترجمہ بھی ۱۹۵۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ قریبی زمانے میں پروفیسر عبد الحمید صدیقی صاحب نے بھی مشکوٰۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ترجمہ جلد شائع ہو جائے گا۔ مشکوٰۃ المصابیح کے مختلف اجزاء پاکستان کے مختلف تعلیمی نصابوں میں شامل ہیں۔

(مرتبہ)



## ابتداءً

### قرآن مجید کی عظمت اور افاقیت

مجید کا لفظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک بلند مرتبہ، با عظمت، بزرگ اور صاحبِ عزت و شرف۔ دوسرے کویم، کثیر العطاء، بہت نفع پہنچانے والا۔ قرآن کے لیے یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ قرآن اس لحاظ سے عظیم ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلے میں نہیں لائی جاسکتی۔ اپنی زبان اور ادب کے لحاظ سے بھی وہ معجزہ ہے اور اپنی تعلیم اور حکمت کے لحاظ سے بھی معجزہ۔ جس وقت وہ نازل ہوا تھا اس وقت بھی انسان اس کے مانند کلام بنا کر لانے سے عاجز رہتا تھا اور آج بھی عاجز ہیں۔ اس کی کوئی بات کسی زمانے میں غلط ثابت نہیں کی جاسکتی ہے نہ کی جاسکتی ہے۔ بالکل مناسب ہے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ پہچنے سے حملہ آور ہو کر اسے شکست دے سکتا ہے اور اس لحاظ سے وہ کویم ہے کہ انسان جس قدر زیادہ اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرے اسی قدر زیادہ وہ اس کو رہنمائی دیتا ہے اور جتنی زیادہ اس کی پیروی کرے اتنی ہی زیادہ اُسے دنیا اور آخرت کی بہائیاں حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے فوائد و منافع کی کوئی حد نہیں ہے جہاں جا کر انسان اس سے بے نیاز ہو سکتا ہو، یا جہاں پہنچ کر اس کی نفع بخشی ختم ہو جاتی ہو۔



قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوری انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب، اور طرز زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا دیا۔ پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ غیریتی بے صرف کھانڈ کے سخاوت پر مبنی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس سے پہلے ایک انقلاب خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ ۱۴ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے جا رہے ہیں۔

(۱)

جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبر کون ہے، کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں، اور وہ حقیقتِ نفسِ الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ پورا انتظام عالم قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں

کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ایک ہی رہا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں اس کو بتایا جاتا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی طرف نشان دہی کر کے بتاتی ہے کہ وہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لیے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاق، تزکیہ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ ہر آدمی تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد۔ ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرے عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے، اس تعمیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ لگا ہونے کے سامنے کیمنچ دیسی ہے اور، پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا۔ کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، کن امور کی اس سے باز پرس ہوگی، کیسی ناقابل انکار صورت میں اس کا پورا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جزا پانے والوں کو کیسے انعامات



ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغریٰ، کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہ راست علم رکھتا ہے، اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ تمام حقائق اس پر معیاں ہیں، کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوحہ انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو یک نظر دیکھ رہا ہے اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جاسکا ہے۔ جو تصور کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمرانیہ کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظام فکری قائم ہو رہا ہے۔ پھر معنی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں بلکہ ۱۴ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جاسکتا ہو؟

(تفہیم القرآن سے اقتبالات)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

— الْفَصْلُ الْأَوَّلُ —

### ۱۔ معلم قرآن کی فضیلت

عَنْ عُمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.  
(دَوَاكِلُ الْجَنَادِيِّ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو) اس کی تعلیم دیں۔ (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ پہلے قرآن مجید سے خود تعلیم حاصل کریں اور اس کے بعد خلق خدا تک اس کو پہنچانے کا فریضہ انجام دیں وہ تمنا کے اندر سب سے بہتر انسان ہیں۔

ایک شخص تو وہ ہے کہ جب اللہ کی ہدایت اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کرے، یقیناً وہ بھی اچھا انسان ہے۔ لیکن اس سے اور باقی سب انسانوں سے بہتر انسان وہ ہے اللہ کی ہدایت پا کر نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق درست کرے بلکہ خلق خدا تک بھی اس تعلیم کو پہنچانے کی کوشش

کرے تاکہ دوسروں کی زندگی کی اصلاح بھی ہو سکے۔

## ۲۔ قرآن کی تعلیم دینا، دنیا کے بہترین مال و دولت سے بہتر ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيْكُمْ يَجِبُ أَنْ يُخْذَ وَكُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِيْقِ فَيَأْتِي بِنَاقَتَيْنِ كَوْمًا وَبَيْنَ ذِهِمَا غَيْرُ اشْمٍ وَلَا قَطْعٍ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُلُّنَا نَحِبُّ ذَلِكَ، قَالَ أَفَلَا يَفْذَرُ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ أَوْ يَفْذَرُ ابْنَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلَاثَةِ خَيْرٍ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ وَآزْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادٍ هِرَّتٍ مِنَ الْإِبِلِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جبکہ ہم صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب مبارک سے نکل کر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا، تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان یا عقیق جاتے اور وہاں سے بڑے کوہان والی دو اونٹیاں لے آئے بغیر اس کے کہ اُس نے کوئی گناہ یا قطع رحم کا فعل کیا ہو؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم میں سے تو ہر ایک یہ بات چاہتا ہے۔ تب آپ نے فرمایا، کہ تم میں سے ایک شخص مسجد میں جائے اور لوگوں کو دو آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے روزانہ دو اونٹیاں میسر



آئیں۔ اگر وہ تین آیتیں پڑھ کر سناے تو یہ تین اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اگر چار آیتیں پڑھ کر سناے تو یہ چار اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اسی طرح جتنی آیتیں سناے وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ (مسلم)

عُصْفَہ سے مراد وہ چبوترہ ہے جو مسجد نبوی کے ساتھ بنا کر اس پر ایک چھتر ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں وہ لوگ قیام پذیر تھے جو مکہ معظمہ سے یا عرب کے دوسرے حصوں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آ گئے تھے۔ اُن کا نہ کوئی ٹھکانا تھا اور نہ ذریعہ معاش۔ مدینے کے لوگ اور دوسرے مہاجرین جو کچھ بھی ان کی مدد کر سکتے تھے کر دیتے تھے۔ اس سے ان کی گزر بسر کا سامان ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مستعد رہتے تھے۔ اس طرح یہ گویا ایک مستقل و الفیور فورس تھی جسے حضور جس خدمت کے لیے اور جس مہم پر جب چاہتے بھیج دیتے تھے۔

بُطْحَان اور عقیق مدینہ منورہ سے متصل دو وادیاں ہیں، ایک جنوب میں اور دوسری شمال مغرب میں۔ اُس زمانے میں ان دونوں مقامات پر اونٹنوں کی فروخت کی منڈی لگا کرتی تھی۔ حضور نے ان اصحابِ عُصْفَہ کو جو بالکل بے سروسامان تھے، مخاطب کر کے کہا کہ بھئی تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ روزِ بطنان یا عقیق جاسے اور بڑے بڑے کو مان والی دو اونٹنیاں مفت لے آئے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر کوئی یہ بات چاہتا ہے۔ اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کو دو آیتیں سناے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے دو عمدہ قسم کی اونٹنیاں مفت مل جائیں۔ اسی طرح وہ جتنی آیتیں کسی کو سناے گا وہ اس کے لیے اتنی ہی اونٹنیاں پالنے سے بہتر ہے۔

دیکھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تربیت کیا انوکھا تھا۔  
 آپؐ یہ جانتے تھے کہ یہ اصحاب صفہ صرف اس وجہ سے اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں  
 کہ انہوں نے اللہ کا دین اختیار کر لیا تھا اور دنیا کو وہ دین پسند نہ تھا، مجبوراً انہیں اپنے  
 گھر بار چھوڑنے پڑے۔ ان کی اس بے سروسامانی کی حالت میں یہ اندیشہ ہو سکتا  
 تھا کہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ انداز می کرے کہ تم نے خواہ مخواہ اپنے  
 گھر بار چھوڑے اور غربت کی زندگی اختیار کی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے کمال حکمت سے ان کے ذہن کو اس طرف موڑ دیا کہ اگر دو اونٹنیاں  
 روزِ مسافت تمہارے ہاتھ آئیں تو اس سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ تم اللہ کے  
 بندوں کو قرآن سناؤ اور اس کی تعلیم دو۔ دوسرے لوگوں کو جا کر تین آیتیں سکھانا  
 گے تو یہ تین اونٹنیاں پالینے سے بہتر ہے۔ اس طرح یہ بات ان کے ذہن نشین  
 کر دی گئی کہ اگر تم خدا کے دین پر ایمان لاتے ہو اور اُسی دین کی خاطر ہجرت اختیار کر کے  
 آتے ہو تو اس کے بعد تمہارا وقت اسی دین کے کام میں صرف ہونا چاہیے۔ تمہیں  
 متاعِ دنیا حاصل کرنے کی خواہش کرنے کے بجائے اپنا وقت خدمتِ دین کے  
 کام میں صرف کرنا چاہیے تاکہ خدا سے تمہارا تعلقی زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور خلقِ  
 خدا کو راہِ راست دکھا کر تم اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے زیادہ سے زیادہ مستحق بن سکو۔  
 یہی لوگ تھے جنہیں آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و ایثار کے نتیجے میں سلطانوں  
 کا مالک بنا دیا۔ اپنی زندگی ہی میں انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اگر انسان صبر کے ساتھ  
 یہ راستہ اختیار کرے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

### ۳۔ قرآن — سب سے بڑی دولت

عَنْ أَبِي مُرَّةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ  
أَنْ يَجِدَ فِيهِ ثَلَاثَ خِلَفَاتٍ عِظَامِ يَمَانٍ، قُلْنَا  
نَعَمْ، قَالَ فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِي  
صَلَاتِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثِ خِلَفَاتٍ عِظَامِ يَمَانٍ -

(دَرَادُ صِلَت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ چاہتا  
ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائے تو وہ  
دیکھے کہ اس کے ہاں تین حاملہ بڑی جسیم اور فریب اوٹنیاں کھڑی  
ہیں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ، ہم یہ چاہتے ہیں۔ اس  
پر آپ نے فرمایا کہ تین آیتیں جو تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز  
میں پڑھے، یہ اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہیں کہ وہ اپنے  
گھر پر تین ایسی حاملہ جسیم اور فریب اوٹنیاں پائے۔ (مسلم)

بڑی جسیم اور حاملہ اوٹنی عربوں کے نزدیک بہترین مال تھا۔ اس لیے نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مثال دی کہ اگر تم نماز میں قرآن کی تین آیتیں پڑھو تو  
یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہارے گھر پر صنعت کی تین اوٹنیاں آکھڑی ہوں۔  
اس مثال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایمان سے وہ نیشن یہ بات کرانی  
کہ قرآن ان کے لیے کتنی بڑی رحمت ہے اور قرآن کی شکل میں کتنی بڑی دولت  
ان کے ہاتھ آتی ہے۔ انھیں اس بات کا احساس دلا گیا کہ ان کے نزدیک جو  
بڑی سے بڑی دولت ہو سکتی ہے، یہ قرآن اور اس کی ایک ایک آیت اس سے  
زیادہ بڑی دولت ہے۔

۴۔ قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنا بھی باعث برکت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلْبَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ (مُسْنَدُ عَلِيٍّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر، قرآن کے بکھنے والے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو الٹا الٹا پڑھ کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دو برابر اجر ہے۔ (مسند علی)

قرآن مجید ہی میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قرآن کو وہ فرشتے سمجھتے ہیں جو بڑے معزز اور پاکیزہ ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کا علم حاصل کرے، اس میں بصیرت پیدا کرے اور اس کے اندر کمال پیدا کرنے کی کوشش کرے وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان فرشتوں میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہوگا جو ان فرشتوں کو حاصل ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آدمی قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھے تو محض اس کے پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ لیکن یہ خیال کتنا درست نہیں۔ قرآن مجید کے محض پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ ایک ایسا آدمی ہے جو پیچا رہے ہیں دیہاتی قسم کا ہے اور اس کی زبان بھی پوری طرح سے نہیں کھلتی



— وہ بڑی مشکل سے اور اٹک اٹک کر قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حتیٰ میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔  
 — ایک اجر قرآن پڑھنے کا اور دوسرا قرآن پڑھنے کے لیے محنت کرنے کا۔  
 — رہی یہ بات کہ بغیر سمجھے اور سمجھ کر قرآن مجید پڑھنے کا کیا فائدہ ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کبھی دنیا میں کسی ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو انگریزی کے حروف تہجی پڑھ لیتے کے بعد انگریزی کی کوئی کتاب لیے بیٹھا پڑھ رہا ہو اور سمجھ میں اس کی نہ کی نہ آ رہا ہو۔ غور کیجئے کہ ایک آدمی اس قرآن کے ساتھ ہی یہ محنت کیوں کرتا ہے۔ وہ قاعدہ بغدادی سے اس کے پڑھنے کی شق کرتا ہے، استادوں سے لکھتا ہے، پھر بیٹھا ہوا اسے پڑھتا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا مگر پھر بھی پڑھتا ہے۔  
 آخر کیوں؟ — اگر اس کے دل میں ایمان نہ ہو، قرآن مجید کی عقیدت نہ ہو اور اگر وہ یہ نہ سمجھ رہا ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اور اس کو پڑھنے میں برکت ہے تو آخر وہ یہ سب محنت اور مشقت کیوں برداشت کرے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ یہ ساری محنت اور مشقت اسی یقین کی بنا پر کر رہا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور بڑی برکت والا کلام ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے اس کا اجر نہ ملے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہ لینا چاہیے کہ ایسے آدمی کو قرآن سیکھنے اور سمجھنے کے قابل بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ کوشش تو اسے لازماً کرنی چاہیے لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو اس کا پڑھنا حلال اور بے فائدہ ہے تو یہ بات غلط ہے۔ یقیناً قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔

## ۵۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں

عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ، رَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ 'إِنَاءَ اللَّيْلِ وَ'إِنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يَنْفَقُ مِنْهُ 'إِنَاءَ اللَّيْلِ وَ'إِنَاءَ النَّهَارِ' (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی حسد (یعنی رشک) کی کوئی گنجائش نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ شب و روز اس کو یہ کھڑا ہو (یعنی نماز میں کھڑا پڑھ رہا ہو یا اس کی تبلیغ و تلقین کرنے اور اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہو) — اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ شب و روز اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔ (متفق علیہ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات اہل ایمان کے ذہن نشین کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کا دنیوی عروج، خوشحالی اور ناموری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر رشک کیا جائے۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن کا علم حاصل ہو اور وہ اسے شب و روز نماز میں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو یا اس کام میں لگا ہو کہ غلط فہم کو اس کی تعلیم دے اور اس کی تبلیغ و تلقین کرے۔ — دوسرا



وہ شخص قابل رشک ہے جسے مال و دولت حاصل ہو اور وہ اسے عیاشیوں اور دوسرے غلط کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے شب و روز اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔

یہ وہ تعلیم ہے جس کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ذہنوں کو بدلا ہے اور انہیں نئی قدریں (VALUES) عطا فرمائی ہیں۔ انہیں یہ بتایا ہے کہ قدر کے قابل اصل میں کیا چیز ہے اور انسانیت کا وہ اعلیٰ نمونہ کیا ہے جس کے مطابق انہیں نمود کو ڈھانسنے اور بنانے کی تڑپ اور کوشش کرنی چاہیے۔

حدیث کے متن میں رشک کے بجائے حسد کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رشک ایک ایسی چیز ہے جو حسد کی طرح آدمی کے دل میں آگ نہیں بھڑکاتی ہے اور حسد وہ چیز ہے جو اگرچہ رشک ہی کی ایک قسم ہے لیکن اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوتی ہے اس لیے یہاں رشک کے جذبے کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے حسد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حسد میں اصل عیب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی یہ پہاڑ ہے کہ فلاں چیز دوسرے شخص کو نہ ملے بلکہ مجھے ملے یا اس سے چھین جائے اور مجھ کو مل جائے۔ یا بدرجہ آخر اگر مجھے نہیں ملتی تو اس کے پاس بھی نہ رہے۔ یہاں حسد کی یہ کیفیت مراد نہیں ہے بلکہ یہاں یہ لفظ صرف اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ رشک کے جذبے کی شدت ظاہر ہو۔ یعنی اگر تمہارے دل میں رشک کی آگ لگنی بھی ہے تو اس غرض کے لیے لکھی چاہیے کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ رات دن قرآن پڑھنے اور اس کی تعلیم دینے میں لگے رہو یا ایسے ہو جاؤ کہ تمہیں

مال نصیب ہو تو اسے غوب اللہ کی راہ میں لٹاؤ۔ یہاں تک کہ دوسروں کے  
یہے قابل رشک نمونہ بن جاؤ۔

#### ۶۔ قرآن مجید اور مومن کا تعلق

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي  
يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرَجَةِ بِرِيحِهَا طَيِّبٌ وَ  
طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ  
مَثَلُ الثَّمَرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلُوٌّ وَمَثَلُ  
الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ  
لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ  
مَثَلُ الرِّيحَانَةِ بِرِيحِهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ مُتَّفَقٌ  
عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ: الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ  
بِهِ كَالْأُتْرَجَةِ وَالْمُؤْمِنُ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ  
بِهِ كَالثَّمَرَةِ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی  
سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور اس کا مزہ بھی اچھا ہوتا  
ہے۔ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس کی  
خوشبو تو نہیں ہوتی البتہ مزہ اس کا میٹھا ہوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن  
نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال حنظل (ایلوا) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو



هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُذِنَتْ لَهُ  
(رَدَّاهُ الْجَارِثُ)

حضرت ابوسعید بن ثعلبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ  
میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے  
آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا  
تھا)۔ پھر نماز ختم کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں  
نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لیے فوراً  
حاضر نہیں ہو سکا)۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ حکم نہیں  
دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک  
کہو جبکہ وہ تمہیں بلائیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: کیا میں  
تمہیں نہ بتاؤں کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟  
قبل اس کے کہ ہم تم مسجد سے نکلیں؟۔ پھر آپ نے میرا  
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے  
عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے قرآن مجید  
کی سب سے بڑی سورت کے متعلق بتائیں گے۔ آپ نے  
فرمایا کہ وہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یعنی سورۃ فاتحہ)  
ہے۔ یہی سَبْعُ مَثَانِي ہے (سات بار پڑھی جانے والی آیتیں)

اور اس کے ساتھ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (بخاری)  
حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کے دوران میں نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں طلب فرمانے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ  
جب حضورؐ نے انہیں بلایا تھا تو وہ نفل نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ فرض

حیثیت سے مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

۷۔ قرآن — دُنیا اور آخرت میں سرِ بلند کی کا فریضہ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ يَذْفُقُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخِرِينَ. (رَدَّاءُ مُسْلِمًا)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو اٹھائے گا اور کچھ لوگوں کو گرا دے گا۔ (مسلم)

مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو لے کر کھڑے ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ترقی دے گا اور دنیا اور آخرت دونوں میں سرِ بلند کرے گا۔ لیکن جو لوگ اس کتاب کو لے کر بیٹھ رہیں گے اور اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے یا اس کتاب کو رد کر دیں گے اللہ تعالیٰ ان کو گرا دے گا۔ ان کے لیے نہ دنیا کی سرِ بلندی ہے اور نہ آخرت کی سرِ غرور۔

۸۔ قرآن پڑھنے کی آواز سن کر فرشتے جمع ہو جاتے ہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوطَةٌ عِنْدَهُ إِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَتَ فَقَرَأَ فَجَالَتْ فَسَكَتَ فَسَكَتَ ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَأَنْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْبِي قَرِيبًا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ



پہلا مضمون یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کی یہ کیفیت نہ ہو کہ ان میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے والا۔ یعنی ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہ ہوتا ہو کہ ان کے اندر ایمان رکھنے والے اور قرآن پڑھنے والے لوگ بستے ہیں۔ اگر کیفیت یہ ہو تو گویا وہ گھر قبرستان ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کی نہیں بلکہ مردوں کی بستی ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری نماز مسجدوں ہی میں ادا نہ کرو بلکہ نماز کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو۔ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کو تو آپ نے آباد کر لیا لیکن گھر قبرستان کی طرح ہو گئے۔ اس لیے ایسی صورت ہونی چاہیے کہ مسجدیں بھی آباد ہوں اور گھر بھی۔ اسی بنا پر اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ فرض نماز تو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے اور سنتیں اور نوافل وغیرہ گھر میں آکر ادا کئے جائیں تاکہ دونوں جگہیں آباد ہوں۔

دوسرا مضمون یہ بیان فرمایا گیا کہ شیطان ایسے گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی فضیلت بحیثیت مجموعی تو الگ ہے اور ایک ایک سورت کے فضائل الگ ہیں۔ یہاں سورہ بقرہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں معاشرتی اور گھروں کی زندگی کے سارے قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نکاح اور طلاق وغیرہ کے متعلق مکمل قانون بھی اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ معاشرت کو بہتر رکھنے کے جملہ اصول و قواعد بھی اس میں آگئے ہیں۔ اس لیے جس گھر میں سورہ بقرہ سمجھ کر پڑھی جاتی

ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے وہاں شیطان کبھی فتنہ و فساد برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو فتنے برپا کرنے کا موقع اسی جگہ ملتا ہے جہاں لوگوں کو یا تو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام معلوم نہ ہوں جن میں انسانی زندگی کی اصلاح کے قاعدے اور ضابطے بتائے گئے ہیں اور یا احکام معلوم تو ہوں لیکن ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ لیکن جہاں احکام بھی معلوم ہوں اور ان کی اطاعت بھی کی جا رہی ہو وہاں شیطان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ وہ کوئی فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

### ۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کر آئے گا

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ...  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اقْرَأُوا الْقُرْآنَ  
فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ  
اقْرَأُوا الزَّهْرَ أَوْ يَنْ الْبَقَرَةَ وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ  
فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ  
أَوْ غَيَابَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ تُحَاجَّانِ  
عَنْ أَصْحَابَيْهِمَا، اقْرَأُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ  
أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكُهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيعُهَا  
الْبَطَلَةُ - (نَقَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، قرآن مجید پڑھا کر دیکھو کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں



اس حدیث میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع بن کر آئے گا۔ شفیع بن کر آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انسانی شکل میں کھڑا ہو کر سفارش کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کی تو اس کا یہ عمل آخرت میں اس کی شفاعت کا موجب بنے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات پیش ہوگی کہ اس بندے نے آپ کی کتاب پڑھی تھی۔ اس کے دل میں ایمان تھا جس کی بنا پر اس نے اس کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور اس کے پڑھنے میں اپنا وقت صرف کیا تھا۔ اس نے اس سے احکام معلوم کرنے اور ہدایات حاصل کرنے اور پھر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری چیزیں اس نے ایمان ہی کی بنا پر تو کی تھیں۔ اس لیے آپ اس بندے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا دوڑیوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس دوران میں ایک بادل سا اس پر سایہ لگن ہوا، اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا۔ جیسے جیسے وہ نیچے آتا رہا اس کا گھوڑا زیادہ اُچھلنے کودنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آپ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سکینت تھی جو قرآن کے ساتھ نازل ہو رہی تھی۔ (متفق علیہ)

گزشتہ حدیث کے برعکس یہاں فرشتوں کے بجائے سکینت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سکینت کی تشریح کرا بڑا مشکل ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف مقامات پر آیا ہے اور اس کے مختلف مفہوم ہیں۔ سکینت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت بھی ہے جو انسان کے دل میں اطمینان، سکون اور ٹھنڈک پیدا کرتی ہے اور اس کو روحانی حیثیت سے تسکین بہم پہنچاتی ہے۔ اور اس سے مراد وہ نصرت بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بطور خاص آتی ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو قرار سکینت کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ بنا بریں یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا یہ لفظ یہاں فرشتوں کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، یا یہ اللہ کی رحمت کی کوئی اور شکل تھی جو ان صاحب کے قریب آئی تھی۔

یہ معاملہ بھی ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتا اور خود ان صاحب کے ساتھ بھی ہمیشہ پیش نہیں آتا تھا۔ وہ کوئی خاص کیفیت تھی جو ان پر گزرتی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا معنی اور مفہوم بتانے کے لیے مجھ پر ہونے ہوتے تو وہ



صحابی ہمیشہ کے لیے حیران ہی رہتے کہ یہ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔  
 ان دونوں روایتوں میں اس خاص کیفیت میں گھوڑے کے بدکنے اور  
 اچھلنے کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات حیوانات وہ  
 چیزیں دیکھتے ہیں جو انسانوں کو نظر نہیں آتیں۔ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ  
 زلزلہ آنے سے پہلے پرندے غائب ہو جاتے ہیں۔ جانوروں کو پہلے سے  
 پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی چیز پیش آنے والی ہے۔ وہ انہیں آنے سے پہلے کہتے  
 اور دوسرے جانور چیخا شروح کر دیتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ  
 تعالیٰ نے ان کو کچھ ایسے حواس عطا کر دیئے ہیں جو انسانوں کو حاصل نہیں ہیں۔  
 اس بناء پر انہیں بعض ایسی چیزوں کا علم یا احساس ہو جاتا ہے جو انسان کے  
 دائرہ علم و احساس سے باہر ہوتی ہیں۔

### ۱۰۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت — سورۃ فاتحہ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ: كُنْتُ أَصَلِّي  
 فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 فَلَمْ أُجِبْهُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ  
 إِنِّي كُنْتُ أَصَلِّي، قَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ اسْتَجِيبُوا  
 لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَعْلَمُكُمْ  
 أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ  
 الْمَسْجِدِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادْنَا أَنْ نَخْرُجَ  
 قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ قُلْتَ لَا عِلْمَ لَكَ أَعْظَمَ  
 سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُذِنَتْ لَهُ  
(رَدَّاهُ الْجَارِثُ)

حضرت ابوسعید بن ثعلبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ  
میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے  
آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا  
تھا)۔ پھر نماز ختم کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں  
نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لیے فوراً  
حاضر نہیں ہو سکا)۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ حکم نہیں  
دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک  
کہو جبکہ وہ تمہیں بلائیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: کیا میں  
تمہیں نہ بتاؤں کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟  
قبل اس کے کہ ہم تم مسجد سے نکلیں؟۔ پھر آپ نے میرا  
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے  
عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے قرآن مجید  
کی سب سے بڑی سورت کے متعلق بتائیں گے۔ آپ نے  
فرمایا کہ وہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یعنی سورۃ فاتحہ)  
ہے۔ یہی سَبْعُ مَثَانِي ہے (سات بار پڑھی جانے والی آیتیں)

اور اس کے ساتھ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (بخاری)  
حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کے دوران میں نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں طلب فرمانے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ  
جب حضورؐ نے انہیں بلایا تھا تو وہ نفل نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ فرض



نماز تو جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ادا کی جاتی تھی۔ چنانچہ حضور کے آواز دینے پر ان کا یہ فرض تھا کہ وہ نفلی نماز چھوڑ دیتے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے کیونکہ اللہ کے رسول کی پکار پر لبیک کہنا تو ہے فرض اور وہ پڑھ رہے تھے نفلی نماز — ایک مومن کو جب اللہ کے رسول کی طرف سے بلایا جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس پر لبیک کہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ہدایت اُس دور کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے۔ نہیں، بلکہ یہ بات آج بھی اسی طرح سے اہم ہے۔ اُس وقت اللہ کے رسول کی آواز لوگ کانوں سے سنتے تھے، آج اللہ کے رسول کی آواز آپ کے دل کے کانوں سن سکتے ہیں، بشرطیکہ دل کے کان ہوں۔ جب اللہ کے رسول کی آواز آپ کے دل میں آئے کہ فلاں کام ممنوع ہے تو آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ رُک جائیں۔ اگر آپ نہیں رُکتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے رسول کی پکار مٹنی تو ضرور مگر اس پر لبیک نہیں کی۔ چنانچہ اگر دل کے کان ہوں تو آپ آج بھی صاف سن سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کس فریضے کی طرف پکار رہے ہیں اور آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔

السَّبْعُ الْمَثَانِ سے مراد وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں، یعنی سورۃ فاتحہ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سات آیتیں ہیں جو قرآن کی سب سے بڑی سورت ہیں اور اس کے ساتھ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں یہ بتایا ہے کہ یہ سات آیتیں ہیں جو شافی

ہیں، اور اس کے ساتھ قرآن مجید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف پورا قرآن ہے اور دوسری طرف یہ سورۃ ناسخہ ہے۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مضمون اخذ فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے کیونکہ پورے قرآن کے مقابلے میں اس ایک سورت کو رکھا گیا ہے۔ غور کیجئے کہ یہاں سب سے بڑی سورت کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ سورۃ ناسخہ اپنے الفاظ اور آیتوں کی کثرت کے لحاظ سے سب سے بڑی سورت ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مضمون کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ساری تعلیم کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔

## ۱۱۔ قرآن سے گھروں کو آباد کرو!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ.  
(دَوَاكُلُ مَلِك)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم)

اس حدیث میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں:

لَهُ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَشَاقِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (الحجۃ ۷۷ پ ۱۳)

تو محمد، ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں اور تمہیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔



پہلا مضمون یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کی یہ کیفیت نہ ہو کہ ان میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے والا۔ یعنی ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہ ہوتا ہو کہ ان کے اندر ایمان رکھنے والے اور قرآن پڑھنے والے لوگ بستے ہیں۔ اگر کیفیت یہ ہو تو گویا وہ گھر قبرستان ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کی نہیں بلکہ مردوں کی بستی ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری نماز مسجدوں ہی میں ادا نہ کرو بلکہ نماز کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو۔ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کو تو آپ نے آباد کر لیا لیکن گھر قبرستان کی طرح ہو گئے۔ اس لیے ایسی صورت ہونی چاہیے کہ مسجدیں بھی آباد ہوں اور گھر بھی۔ اسی بنا پر اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ فرض نماز تو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے اور سنتیں اور نوافل وغیرہ گھر میں آکر ادا کئے جائیں تاکہ دونوں جگہیں آباد ہوں۔

دوسرا مضمون یہ بیان فرمایا گیا کہ شیطان ایسے گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی فضیلت بحیثیت مجموعی تو الگ ہے اور ایک ایک سورت کے فضائل الگ ہیں۔ یہاں سورہ بقرہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں معاشرتی اور گھروں کی زندگی کے سارے قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نکاح اور طلاق وغیرہ کے متعلق مکمل قانون بھی اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ معاشرت کو بہتر رکھنے کے جملہ اصول و قواعد بھی اس میں آگئے ہیں۔ اس لیے جس گھر میں سورہ بقرہ سمجھ کر پڑھی جاتی

ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے وہاں شیطان کبھی فتنہ و فساد برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو فتنے برپا کرنے کا موقع اسی جگہ ملتا ہے جہاں لوگوں کو یا تو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام معلوم نہ ہوں جن میں انسانی زندگی کی اصلاح کے قاعدے اور ضابطے بتائے گئے ہیں اور یا احکام معلوم تو ہوں لیکن ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ لیکن جہاں احکام بھی معلوم ہوں اور ان کی اطاعت بھی کی جا رہی ہو وہاں شیطان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ وہ کوئی فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

### ۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کر آئے گا

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ...  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اقْرَأُوا الْقُرْآنَ  
فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ  
إِذَا نَزَلَ الرَّهْءَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ  
فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ  
أَوْ غَيَابَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ تُحَاجَّانِ  
عَنْ أَصْحَابَيْهِمَا، اقْرَأُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ  
أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكُهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيعُهَا  
الْبَطَلَةُ - (رَقَاءٌ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، قرآن مجید پڑھا کر دیکھو کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں



اس حدیث میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع بن کر آئے گا۔ شفیع بن کر آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انسانی شکل میں کھڑا ہو کر سفارش کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کی تو اس کا یہ عمل آخرت میں اس کی شفاعت کا موجب بنے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات پیش ہوگی کہ اس بندے نے آپ کی کتاب پڑھی تھی۔ اس کے دل میں ایمان تھا جس کی بنا پر اس نے اس کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور اس کے پڑھنے میں اپنا وقت صرف کیا تھا۔ اس نے اس سے احکام معلوم کرنے اور ہدایات حاصل کرنے اور پھر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری چیزیں اس نے ایمان ہی کی بنا پر تو کی تھیں۔ اس لیے آپ اس بندے

جواب دیا تو حضور نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمہیں یہ علم مبارک ہو۔ واقعی تم نے صحیح سمجھا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اہم آیت یہی ہے۔

قرآن بیدار اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور دلانے ہی کے لیے آیا ہے۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو جاتی ہے۔ توحید آدمی کی سمجھ میں آجائے گا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس بنا پر قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت وہ ہے جس میں توحید کے مندرجہ بالا کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

### ۱۵۔ آیت الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَلَّنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةٍ رَمَضَانَ فَأَتَانِي ابْنُ جَعْفَلٍ يَخْتُمُ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ وَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ مِتُّ فَتُخَايُجُ وَعَلَى عِيَالٍ وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ قَالَ فَخَلَيْتُ عَنْهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكِي حَاجَةً شَدِيدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ سَيَعُودُ وَفَرَّصْتُهُ فَبَاءَ وَيَخْتُمُ مِنَ الطَّعَامِ



مگر اُس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، اس کی کچھ قدر نہ کی۔ پھر فرمایا کہ باطل پرست لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مراد یہ ہے کہ جس شخص کے اندر ذرہ برابر بھی باطل پرستی موجود ہوگی وہ اس سورہ کو برداشت نہیں کر سکے گا کیونکہ اس کے اندر اقل سے بے کر آخر تک ایسے باطل شکن مضامین بیان کئے گئے ہیں کہ کوئی باطل پرست اس سورت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

### ۱۳۔ سورۃ البقرہ اور آل عمران اہل ایمان کی پیشوائی کریں گی

عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلُهُ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ تَقْدَامُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَالْآلِ عِمْرَانَ كَانَهُمَا غَمَامَتَيْنِ أَوْ ظِلَّتَيْنِ سَوْدَ آوَانٍ يَبْنِيهِمَا شَرْقٌ أَوْ كَانَهُمَا فِرْقَانِ مِنْ كُلِّ صَوَافٍ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ کہ جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے لائے جائیں گے اور ان کے آگے سورۃ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ بادل ہیں یا ابرسیاہ ہیں جن کے اندر چمک الودھنی ہے یا وہ پرندوں کے جھنڈ ہیں جو اپنے پر پھیلاتے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے لیے حجت پیش کرتی ہوئی آئیں گی۔ (مسلم)

گزشتہ حدیث میں بھی یہی مضمون تقوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی روایت کرنے والے دونوں صحابیوں نے ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہو اور دونوں نے اپنے اپنے الفاظ میں اسے بیان کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مضمون متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہو اور دونوں صحابیوں کی روایتیں دو مختلف مواقع سے تعلق رکھتی ہوں۔ — بہر حال یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مضمون قریب قریب یکساں ہے۔

پہلی روایت میں صرف قرآن مجید پڑھنے والوں کا ذکر تھا لیکن اس حدیث میں اس کے مطابق عمل کرنے والوں کا ذکر ہے اور ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اگر شیوع ہو سکتا ہے تو انہی لوگوں کے لیے ہو سکتا ہے جو محض اسے پڑھ کر ہی نہ رہ جائیں بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کریں۔ بالفرض اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھتا تو ہے لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو قرآن اس کے حق میں حجت نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ قرآن مجید اپنے اُن پڑھنے والوں کی شفاعت اور حمایت کرے گا جو اس کے مطابق عمل بھی کرنے والے ہوں۔ قیامت کے روز جب اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور میں جائیں گے تو ان کو لے کر جانے والا قرآن ہو گا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو گویا یہ ان کے پاس ان معنوں میں ایک ۱۰۰ حجت ہو گا کہ حضورؐ یہ آپ کا ہدایت نامہ تھا اور اس کے مطابق ہم دنیا میں



تھا۔ پس ایک رات، ایک آنے والا آیا اور وہ اس نلے وغیرہ کو سیٹھنے لگا (جو وہاں جمع تھا)۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا، میں محتاج آدمی ہوں میرے بال بچے ہیں اور میں بہت حاجت مند ہوں۔ میں نے (ترس کھا کر) اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، اے ابوہریرہ، رات جس شخص کو تم نے پکڑا تھا اس کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی بیان کی اور کہا کہ میرے بہت بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اس پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اُس نے تم سے چھوٹ بولا، وہ پھر آتے گا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آتے گا۔ پس میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ رات وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ سیٹھنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں محتاج آدمی ہوں اور میرے بال بچے ہیں۔ اب میں پھر نہیں آؤں گا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز صبح، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے ابوہریرہ، تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بہت بال

وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: يَا أَبَا الْمُثَنَّبِ، أَتَدْرِي أَيُّ  
آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ، قُلْتُ:  
اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ قَالَ فَضَرَبَ فِي  
صَدْرِي وَقَالَ: لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا أَبَا الْمُثَنَّبِ.  
(دَوَاةٌ مُسَلَّمَةٌ)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابو مثنذر، جانتے ہو  
تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جو کتاب (قرآن مجید) ہے اس کی  
کونسی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور  
اُس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا:  
اے ابو مثنذر، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی  
جو کتاب ہے اس کی سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ میں  
نے عرض کیا: اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (یعنی آیت  
الکبرسی)۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے  
پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابو مثنذر، یہ علم تمہیں مبارک ہو۔

(مسلم)

ابو مثنذر حضرت اُبی بن کعب کی کنیت ہے۔ حضرت اُبی رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے اُن صحابیوں میں سے تھے جو قرآن کے سب سے زیادہ جانتے  
واسے اور قرآن مجید کے فائصل تھے اور صحابہ کرامؓ میں سے بہترین فہم قرآن  
کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تعلیم میں سے ایک طریقہ ہے۔



آپ صحابہ کرامؓ سے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ انھوں نے اللہ کے دین کو اور قرآن کو کتنا کچھ سمجھا ہے بعض اوقات خاص خاص سوالات کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تھا کہ حضورؐ کے سوال پر اس اُمید میں کہ کچھ مزید معلومات حاصل ہوں کہ وہ اپنے علم کے مطابق جواب دینے کے بجائے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ معلوم ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بات خود بتائیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کرنے سے یہ ارادہ ہوتا تھا کہ صحابہ کرامؓ کو مزید علم سکھائیں تو صحابہؓ کے یہ عرض کرنے پر کہ اَللّٰهُ دَرِّمُوْلُہٗ اَعْلَمُ آپؐ اپنے سوال کا خود جواب دے دیا کرتے تھے اور اگر آپؐ کا ارادہ ان کی معلومات کو جاننے ہی کا ہوتا تھا تو آپؐ اپنے سوال کو پھر دہراتے تھے تاکہ صحابہؓ اپنی طرف سے جواب دیں۔ یہاں یہی صورت پیش آئی۔ حضورؐ نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے پہلی دفعہ سوال کیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ معلوم ہے مگر چونکہ حضورؐ کے پیشِ نظر یہ معلوم کرنا تھا کہ حضرت اُبی بن کعبؓ کے فہم میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ وزنی آیت کونسی ہے اس لیے آپؐ نے دوبارہ وہی سوال کیا۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ سب سے بڑی آیت آیت الکرسی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جواب کی تصویب فرمائی۔ آیت الکرسی کی یہ عظمت اور اہمیت اس بنا پر ہے کہ یہ قرآن مجید کی ان چند آیتوں میں سے ہے جن میں توحید کی مکمل تعریف بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بہترین بیان ایک سورہ حشر کی آخری آیات میں، ایک سورہ الفرقان کی ابتدائی آیات میں، ایک سورہ اخلاص ہے اور ایک یہ آیت الکرسی ہے۔ جب حضرت اُبی بن کعبؓ نے یہ

جواب دیا تو حضور نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمہیں یہ علم مبارک ہو۔ واقعی تم نے صحیح سمجھا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اہم آیت یہی ہے۔

قرآن بیدار اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور دلانے ہی کے لیے آیا ہے۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو جاتی ہے۔ توحید آدمی کی سمجھ میں آجائے گا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس بنا پر قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت وہ ہے جس میں توحید کے مندرجہ بالا کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

### ۱۵۔ آیت الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَلَّنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةٍ رَمَضَانَ فَأَتَانِي ابْنُ جَعْفَرٍ يَخْتُمُ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ وَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ مِتُّ فَتُحْتَاجُ وَعَلَى عِيَالٍ وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ قَالَ فَخَلَيْتُ عَنْهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَيْمُرُكَ الْبَارِحَةَ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَا حَاجَةَ شَدِيدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ سَيَعُودُ فَرَصَدْتُهِ فَبَاءَ وَيَخْتُمُ مِنَ الطَّعَامِ



فَاَخَذَتْهُ فَقُلْتُ لَا مَرَفَعَتَكَ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَغْنِي فَاِنِي مُحْتَاجٌ وَعَلَى عِيَالٍ لَا اَعُوذُ فَرَحِمَتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيرُكَ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَى حَاجَةً شَدِيدَةً وَعِيَالًا لَا فَرَحِمَتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَقَالَ اَمَّا اِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوذُ فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَخْشُو مِنَ الطَّعَا فَاَخَذَتْهُ فَقُلْتُ لَا مَرَفَعَتَكَ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا الْاِخْرُ ثَلَاثُ مَرَّاتٍ اِنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُوذُ ثُمَّ تَعُوذُ، قَالَ دَغْنِي اَعَلَيْكَ كَلِمَاتٍ تَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ اللَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ حَتَّى تَخْتِمَ الْآيَةَ فَاِنَّكَ لَنْ يَنْزَالَ عَلَيْكَ مِنْ اللَّهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرُبَكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيرُكَ قُلْتُ رَأَيْتُ اَنَّهُ يَعْلِمُنِي كَلِمَاتٍ تَنْفَعُنِي اللَّهُ بِهَا، قَالَ اَمَّا اِنَّهُ صِدْقُكَ وَهُوَ كَذُوبٌ وَتَعْلَمُ مَنْ مُخَاطَبٌ مِنْهُ ثَلَاثُ لَيَالٍ، قُلْتُ لَا، قَالَ ذَلِكَ شَيْطَانٌ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت کا کام سونپا

تھا۔ پس ایک رات، ایک آنے والا آیا اور وہ اس نلے وغیرہ کو سیٹھنے لگا (جو وہاں جمع تھا)۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا، میں محتاج آدمی ہوں میرے بال بچے ہیں اور میں بہت حاجت مند ہوں۔ میں نے (ترس کھا کر) اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، اے ابوہریرہ، رات جس شخص کو تم نے پکڑا تھا اس کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی بیان کی اور کہا کہ میرے بہت بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اس پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اُس نے تم سے چھوٹ بولا، وہ پھر آتے گا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آتے گا۔ پس میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ رات وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ سیٹھنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں محتاج آدمی ہوں اور میرے بال بچے ہیں۔ اب میں پھر نہیں آؤں گا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز صبح، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے ابوہریرہ، تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بہت بال



نیچے ہیں اس لیے میں نے اس پر رحم کیا اور اسے پھر چھوڑ دیا۔  
 حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا، اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر  
 آئے گا۔ میں پھر اس کی تاک میں لگا رہا۔ وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ  
 سیٹھنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ اب کہیں تجھے  
 ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا تا یہ میری  
 اور آخری مرتبہ ہے۔ ہر دفعہ تو کہتا ہے کہ میں پھر نہیں آؤں گا  
 اور پھر آجاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں کچھ ایسے  
 کلمات سکھاتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ جب  
 تم رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو آیت الکرسی  
 اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اَخِرِ آیت تک پڑھ لیا  
 کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی طرف سے تمہاری حفاظت ہوتی  
 رہے گی اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔  
 جب اس نے یہ چیز مجھے سکھائی تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔  
 اگلی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے دریافت فرمایا  
 کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے پھر عرض کیا: اس  
 نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں اور اس کا دعویٰ تھا کہ ان کلمات  
 کی بدولت اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بات تو اس نے سچی کہی مگر ہے وہ  
 نہایت جھوٹا! تمہیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تم کس  
 مسکے ساتھ مخاطب تھے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، میں  
 نہیں جانتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا وہ ایک شیطان تھا۔ (بخاری)

زکوٰۃ رمضان سے مراد کھانے پینے کا وہ سامان، غلہ اور ایسی چیزیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے زمانے میں تقسیم کی خاطر رکھتے تھے۔ دن کے وقت تقسیم سے جو بیچ جاتا رات کو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آتی۔ ایک دفعہ جب حضرت ابوہریرہؓ اس سامان کی حفاظت پر مقرر تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

یہ اس طرح کے واقعات میں سے ہے جن کے بارے میں انسان کوئی توجیہ نہیں کر سکتا کہ ایسا کیونکر ہوا۔ بہر حال اس طرح کی صورتیں بعض اوقات انسانوں کے ساتھ پیش ضرور آتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ بھی یہ شکل پیش آتی۔

یہ حدیث فضائل القرآن کے باب میں اس وجہ سے نقل کی گئی ہے کہ شیطان خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اُس شخص پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا جو رات کو آیت الکرسی پڑھ کر سوتا ہے۔

یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید میں چند مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے، اور توحید کا مکمل تصور پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ آیت الکرسی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس آدمی کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تصور رچ بس گیا ہو اس پر شیطان کا بس کہاں چل سکتا ہے۔ شیطان تو اس کے قریب بھی نہیں پھینک سکتا۔

آیت الکرسی کے کلمات بذاتِ خود بھی بابرکت ہیں لیکن اگر پڑھنے والا سمجھ بھی رہا ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو پھر اس پر کسی شیطان کا زور نہیں چل سکتا۔



اس میں آگیا ہے۔ اس خصوصی شان کی کوئی چیز پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔  
 دوسرا نور جس کی خوشخبری اس فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی وہ سورہ  
 بقرہ کی آخری آیات ہیں یعنی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** سے لے کر  
**آخِرُ رُكُوعٍ وَأَنصُرُونَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ** تک۔

ان آیات میں توحید کا پورا بیان اور انبیاء علیہم السلام کی ساری تعلیم کا  
 خلاصہ سمودیا گیا ہے، پورے کے پورے اسلامی عقائد بیان کر دیئے گئے  
 ہیں اور اہل ایمان کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر حق و باطل کی آویزش میں کفر کی  
 تمام طاقتیں بھی ان کے مقابلے میں ٹوٹ جائیں تب بھی انہیں صرف اللہ  
 کے بھروسے پر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور اللہ ہی سے نصرت اور کامیابی  
 کے لیے مدد مانگنی چاہیئے۔ ان آیات کے انہی غیر معمولی مفہامین کی بنا پر  
 ان کو ایسا نور قرار دیا گیا ہے جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔

### ۷۱۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: **الْآيَتَانِ مِنَ الْخَيْرِ شَوْرَةٍ**  
**الْبَقَرَةُ مَنِ قَرَأَ بِهِنَّ فِي لَيْلَةٍ كَفَّتْ سَاءَ** (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)  
 حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی  
 آخری دو آیتیں پڑھے گا۔ وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔

(متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ یہ دو آیتیں آدمی کو ہر طرح کے شر سے بچانے کے

جو آپ ہی کو دیتے گئے ہیں۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ  
المنقرہ کی آخری آیات ————— ان دونوں کا اگر ایک حرف بھی  
آپ پڑھیں گے تو جو دُعا آپ مانگیں گے وہ آپ کو عطا کی جائے گی۔  
(مسلم)

اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلا سوال جو آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا  
ہے وہ یہ ہے کہ آسمان کا دروازہ کھلنا اور اس سے ایسی آواز کا آنا جیسے بچا ہوا  
کھلتا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ ————— اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی  
چاہیے کہ آسمان کے کسی دروازہ کے کھلنے کی آواز سننے والے جبریلؑ یا رسول اللہؐ کی طرف  
علیہ وسلم تھے ہم اور آپ نہیں ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایسے معاملات ہیں  
جو ہمارے حواس سے ماوراء ہیں۔ لیکن انہیں جب بھی بیان کیا جائے گا لامحالہ  
اسی زبان میں بیان کیا جائے گا جو انسان بولتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ  
انسانی زبان میں ان احوال و کیفیات کو ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں اور  
نہیں ہو سکتے کیوں وہ احوال اور وہ کیفیات کبھی انسان کے تجربے میں نہیں  
آتیں اس لیے لامحالہ جب کبھی ان چیزوں کو بیان کیا جائے گا استعارہ اور  
تشبیہ کی زبان میں بیان کیا جائے گا۔ ————— دُنیا میں جس طرح کوئی بچا ہوا  
کھولا جاتا ہے اُسی طرح عالم بالا کی بھی بہت سی بندشیں ہیں جنہیں کھولا جاتا ہے  
تبھی کوئی چیز ان سے گزر کر آتی یا جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ڈونڈ مار کھلا دیا  
ہو کہ جو چیز جس وقت چاہے آئے یا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان  
کی کسی بندش کے کھلنے اور اوپر سے کسی فرشتے کے نیچے آنے کی کوئی کیفیت  
ہے جس کو بچا ہوا کھلنے کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کیفیت لامحالہ محسوس  
تو ہوتی ہے مگر اس کو محسوس صرف اللہ کا فرشتہ یا اس کا رسول کریمؐ کر سکتا ہے ہم اسے



محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صلاحیت ہم جیسے عام انسانوں کو میسر نہیں ہے۔  
 دوسری چیز جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو فرشتہ  
 حضور کو خوشخبری سنائے اسے حاضر ہوا وہ اس سے پہلے کبھی زمین کی طرف  
 نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص یہی پیغام پہنچا  
 کہ اسے زمین کی طرف بھیجا تھا۔ ورنہ وہ زمین کی طرف آنے والے فرشتوں  
 میں سے نہیں تھا۔ اس نے آکر جو پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ یہ  
 تھا کہ آپ کو مبارک ہو۔ آپ کو وہ ایسی بے نظیر چیزیں دی گئی ہیں جو پہلے  
 کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک چیز سورہ فاتحہ ہے اور دوسری  
 البقرہ کی آخری آیات۔

واقعہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے چند فقروں میں اتنا بڑا مضمون بیان  
 کیا گیا ہے کہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا اپنا ارشاد ہے کہ مجھے ایسے الفاظ اور کلمات عطا کئے گئے ہیں  
 جن سے بڑے بڑے مضمون چند فقروں میں آوا ہو گئے ہیں۔  
 انجیل کے ساتھ قرآن مجید کا مقابلہ کر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو  
 بات بعض اوقات انجیل کے کئی کئی صفحات میں بیان کی گئی ہے وہ قرآن  
 کے ایک فقرے میں بیان کر دی گئی ہے۔ بالخصوص سورہ فاتحہ اس اختصار  
 اور جامعیت کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ تاہم سورہ فاتحہ کی اس  
 انبیازی شان کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اس میں جو مضمون آئے ہیں وہ  
 پہلے کسی نبی پر نہیں آئے۔ ایسا نہیں ہے کیونکہ سارے انبیاء ہی تسلیم  
 لے کر آئے تھے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس سورہ کے چند فقروں میں  
 وسیع معانی کا ایک سمندر سیٹ دیا گیا ہے اور پوری تعلیم دین کا خلاصہ

کو یاد کر لے اور اپنے دل و دماغ میں بٹھائے وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دجال کا فتنہ بھی اسی نوعیت کا ہوگا جیسا کہ اُس وقت ان نوجوانوں کو پیش آیا تھا۔۔۔۔۔ اس لیے جس آدمی کے سامنے اصحاب کھف کی یہ نظیر موجود ہوگی وہ دجال کے آگے نہیں جھکے گا۔ البتہ جو آدمی اس نظیر کو بھول گیا وہ دجال کے فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ جو شخص ان آیات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرے گا وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔

### ۱۹۔ سورہٴ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيْعِزُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، قَالُوا: كَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ -

(لَفَاهُ مُشَيَّدٌ، وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ ڈالے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھ ڈالے؟۔۔۔ آپؐ نے فرمایا: وہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھے کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم و بخاری)



یہ کافی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان آیات کو اچھی طرح سے سمجھ کر پڑھے تو اسے ان کی اہمیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔

### ۱۸۔ سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کی تفصیلات

عَنْ أَبِي الدَّذَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ  
سُورَةِ الْكَافِ عَصِمَ مِنَ الدَّجَالِ (دُذَاءُ مُنِيَّةُ)

حضرت ابو الدذاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورہ کہف کی دس ابتدائی آیتیں یاد کرے گا وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

سورہ کہف کے ابتدائی سترے میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں رومی سلطنت میں عیسائیوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے اور انہیں اس بات پر مجبور کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک خدا کو چھوڑ کر گرومیوں کے معبودوں اور دیوتاؤں کو تسلیم کریں اور انہی کے آگے سر جھکائیں، اس زمانے میں چند نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور وہ اس فتنہ عظیم سے بچنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہمیں ہر حال اپنے رب سے منہ نہیں موڑنا ہے اور نہ شرک کو اختیار کرنا ہے، بخدا! بھروسہ کرتے۔ چنانچہ وہ بغیر کسی سہارے کے صرف اللہ کے بھروسے پر پہاڑوں میں جا کر ایک غار میں بیٹھ گئے۔ فرمایا گیا کہ جو شخص سورہ کہف کی ان ابتدائی آیات

کو یاد کر لے اور اپنے دل و دماغ میں بٹھالے وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دجال کا فتنہ بھی اسی نوعیت کا ہوگا جیسا کہ اُس وقت ان نوجوانوں کو پیش آیا تھا۔۔۔۔۔ اس لیے جس آدمی کے سامنے اصحاب کھف کی یہ نظیر موجود ہوگی وہ دجال کے آگے نہیں جھکے گا۔ البتہ جو آدمی اس نظیر کو بھول گیا وہ دجال کے فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ جو شخص ان آیات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرے گا وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔

### ۱۹۔ سورہٴ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيْعِزُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، قَالُوا: كَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ -

(لَفْظُ مُشِيدٌ، وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ ڈالے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھ ڈالے؟۔۔۔ آپؐ نے فرمایا: وہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھے کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم و بخاری)



قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن ان مضامین پر مشتمل ہے :

ایک احکام، دوسرے پچھلے انبیاء کے قصے اور حالات، اور تیسرے عقائد کی تعلیم۔

چونکہ عقائد کی جڑ توحید ہے اور توحید کے بغیر عقیدہ اسلام کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے اس لیے اس حدیث میں سورۃ اخلاص کو توحید کا مکمل بیان ہونے کی وجہ سے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم اور انداز تربیت کیسا بے نظیر تھا۔ حضور ایسے الفاظ اور فقروں میں تعلیم دیتے تھے جن سے بات فوراً مخاطب کر کے دل میں اتر جاتی تھی۔ ایک آدمی کے ذہن میں یہ بات بٹھا کے یہ کہ سورۃ اخلاص کی کیا اہمیت ہے گھنٹوں تقریر کی جاسکتی ہے یہی کہی حضور نے اتنی بڑی بات کو صرف ایک فقرے میں ادا کر دیا کہ اگر تم سورۃ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لو تو یہ گویا ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ایک جملے سے اس سورت کی جو اہمیت آدمی کے دماغ میں بیٹھتی ہے وہ گھنٹوں کی تقریر سے بھی نہیں بیٹھ سکتی۔ یہ حضور کا خاص طرز تربیت تھا جس سے آپ نے صحابہؓ کی تربیت فرمائی۔

۲۰۔ سورۃ اخلاص — اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بَعَثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي  
صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا

ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ سَلُّوهُ لِإِيَّيْ  
نَشَى ۖ يَبْعَثُ ذَلِكَ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ لِأَنْفَعِ صِفَةِ الرَّحْمَنِ  
وَ أَنَا أَحِبُّ أَنْ أَقْرَأَهَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ ، أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّهُ . (مُسْتَفْقُ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک فوجی دستے کا قائد بنا کر بھیجا۔  
وہ صاحب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے اپنی قرأت ہمیشہ  
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (سورۃ اخلاص) پر ختم کیا کرتے تھے۔ جب یہ  
لوگ اس کو پہنچے واپس آئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے  
یہ بات بیان کی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان صاحب  
سے جا کر پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ لوگوں نے ان سے جا  
کر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کا وصف  
بیان کیا گیا ہے اس لیے میں اس کے پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں۔ یہ  
سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُس شخص کو جا کر خبر دو  
کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ (مستفق علیہ)

سَرِيَّةُ اُس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
خود شامل نہ ہوں، اور اس کے برعکس غزوہ وہ فوجی مہم ہوتی ہے جس میں  
حضرت بنفس نفیس شریک ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اور بعد  
میں بھی ایک مدت تک یہ دستور رہا کہ نماز کی امامت وہی شخص کرتا تھا جو  
جماعت کا امیر ہوتا تھا۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی فوجی دستے کا کمانڈر ہوتا



تو نماز پڑھانا اسی کا کام ہوتا تھا۔ اسی طرح مرکز میں خلیفہ خود نماز پڑھاتا اور خطبہ دیتا تھا۔ جس فوجی محکم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس کے کمانڈر کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص لائے گا پڑھتا تھا۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائی گئی اور آپ کی ہدایت کے مطابق اس شخص سے دریافت کرنے پر اس کی وجہ معلوم ہوئی تو حضور نے اسے بشارت دی کہ جب تم کو یہ سورت اس بنا پر محبوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وصف بہترین طریقے سے بیان ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں محبوب رکھتا ہے۔

گزشتہ حدیث میں یہ بتایا گیا تھا کہ ثَلَّیٰ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک نہائی قرآن کے برابر ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سورہ اخلاص پسند کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے کی خوشخبری دی۔ دنیا کی کسی کتاب میں توحید کو اتنے مختصر الفاظ اور ایسے جامع انداز میں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے دنیا میں پائی جانے والی تمام گمراہیوں کی جڑ ایک ساتھ کٹ جائے۔ تمام کُتُبِ آسمانی جو محو ٹوڑی بہت اس وقت دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ اس مضمون سے خالی ہیں۔ اسی بنا پر جو لوگ اس چیز کو سمجھتے تھے اور اس کی روح کو چانتے تھے وہ اس سورت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ خود اس سورت کا نام سورہ اخلاص ہی اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو خالص توحید کا سبق دیتی ہے، ایسی توحید کہ جس کے ساتھ شرک کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ اس لیے جو شخص اس بنا پر اسے محبوب رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہے۔

۲۱۔ سورہ اخلاص سے محبت جنت میں داخلے کا سبب ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

إِنِّي أُحِبُّ هَذِهِ السُّورَةَ ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ، قَالَ  
إِنَّ حُبَّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ .

(تَفَاةُ التَّوْمِيذِيِّ دُرُودِي الْبُخَارِيِّ مَحْنَاهُ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : یا رسول اللہ ، مجھے  
یہ سورت — سورۃ اخلاص — بڑی محبوب ہے . حضور  
نے ارشاد فرمایا : اس سورت کے لیے تیری محبت نے تجھے جنت  
میں داخل کر دیا۔ (ترمذی، بخاری)

معلوم ہوا کہ اس سورت کا محبوب ہونا ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ ایک  
شخص کے جنت میں جانے کا فیصلہ اس بات سے ہو گیا کہ اسے یہ سورت  
محبوب تھی — لیکن اس سورت کا محبوب ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے  
کہ آدمی کا دل ہر شائبہ شرک سے بالکل پاک ہو اور خالص توحید اس کے دل  
میں گہر کر گئی ہو۔ — خالص توحید کا دل میں اُترنا ہی جنت کی کنجی  
ہے۔ اگر توحید میں نقص ہو تو جنت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آدمی  
کی زندگی میں دوسری خامیاں اور نقائص ہوں تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا  
لیکن توحید میں خلل ناقابل تلافی ہے۔ اول تو خالص توحید اگر کسی کے دل میں  
بیٹھ جائے تو اس کے اندر باقی خامیاں اور نقائص بہت ہی کم رہ جائیں گے  
لیکن اگر وہ بھی جائیں تو اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔ اور اگر بالفرض  
اسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہ ہوئی اور وہ توبہ کرنا بھول گیا تو پھر بھی اللہ  
تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت ہو جائے گی کیونکہ خالص توحید وہ اصل حقیقت  
ہے جس پر انسانی کے خدا کا وفادار ہونے نہ ہونے کا انحصار ہے۔ جو آدمی



خائس توحید کو مانتا ہے وہ خدا کے وفاداروں میں شامل ہے اور خدا کا ساتھ  
اپنے وفاداروں کے ساتھ وہ نہیں جو بے وفاؤں اور غداروں کے ساتھ ہوتا  
ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ اس  
سورت کو محبوب رکھنے سے تیرے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

## ۲۲۔ مَعُونَتِیْن — دو بے نظیر سورتیں

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَمْ تَرَ آيَاتِ أَنْزَلَتْ اللَّيْلَةَ  
لَمْ يَكَمْ مِثْلُهَا قَطُّ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَ  
قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (دَقَاءُ سُلَيْم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: تم نے  
دیکھا آج رات ایسی آیات اتری ہیں کہ کبھی ان کی نظیر نہیں  
پائی گئی اور وہ ہیں: قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (یعنی سورۃ الفلق)  
اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (یعنی سورۃ الناس) (مسلم)

یہاں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے متعلق حضورؐ نے یہ ارشاد  
فرمایا ہے کہ یہ بے مثال سورتیں ہیں، کبھی ان کی نظیر نہیں پائی گئی۔  
اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کتب آسمانی سورۃ اخلاص کی طرح اس مضمون  
سے بھی خالی ہیں جو ان سورتوں میں اتنے مختصر اور جامع الفاظ میں بیان  
ہوا ہے۔ دوسری بات جس کی بنا پر یہ سورتیں اہمیت رکھتی ہیں وہ یہ  
ہے کہ اگر ان دونوں سورتوں کے مضمون کو اچھی طرح سے سمجھ لیا

جائے تو یہ انسان کو ہر قسم کے اندیشوں اور غرضوں سے نجات دلا دیتی ہیں اور ایک آدمی حق کے راستے پر پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ چل سکتا ہے۔ پہلی سورت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ بات کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں اُس رب کی جو صبح کو نکالنے والا ہے، اُن تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں، اور ان تمام خطرات سے جو رات کو پیش آتے ہیں اور ان تمام لوگوں کے شر سے جو طرح طرح کے جادو ٹونے اور اس طرح کے دوسرے افعال کینے والے ہیں۔

دوسری سورت میں یہ فرمایا گیا کہ کہہ دو کہ میں نے پناہ لی اس ہستی کی جو رَبُّ النَّاسِ ہے، اِلٰہ النَّاسِ ہے اور مَلِکُ النَّاسِ ہے، تمام انسانوں اور شیاطین کے شر سے، جو دلوں میں دسوسے ڈالتے ہیں۔

اگر ایک آدمی اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور پھر ان تمام فتنوں اور شرور سے ڈرتا بھی رہتا ہے جن سے اس نے پناہ لی ہے تو زبان سے اس کا یہ الفاظ کا کتابے معنی ہے۔ اگر وہ اخلاص سے اور سوچ سمجھ کر یہ بات کہتا ہے تو پھر اسے اس بات سے بے فکر ہو جانا چاہیے کہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے کیونکہ جب اُس نے اُس خدا کی پناہ لے لی ہے۔ جو ساری کائنات کا مالک ہے اور تمام انسانوں کا بھی مالک ہے، اور اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ اب مجھے کسی کے شر سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو پھر اس کے بعد ڈرنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ آدمی پناہ تو اُسی کی لیا کرتا ہے جس کے بارے میں اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔



اگر کوئی پناہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے پاس پناہ لینے والا کوئی نہ ہو۔ یہ قیاس ہی ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کسی کی پناہ اس ورہرے یقین کی بنا پر لیتا ہے کہ ایک تو وہ اُسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے اور دوسرے جن کے شر سے وہ بھاگ کر اس کے دامن میں پناہ لے رہا ہے ان سب کی قوت اس کے مقابلے میں بچ ہے۔ جب تک اسے ان دو باتوں کا یقین نہ ہو وہ اس کی پناہ نہیں لے سکتا۔ اور اگر اس یقین کے ساتھ وہ اس کی پناہ لیتا ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ یا خوف محسوس کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ایسی قدرت اور عظمت کا یقین لے کر اس کے راستے میں کام کرنے کے لیے کھڑا ہو تو پھر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ ہوگی جس کے مقابلے میں اس کو کوئی خطرہ محسوس ہو یا وہ کسی خوف میں مبتلا ہو۔ وہ بالکل بے فکر ہو کر اللہ کے راستے میں کام کرے گا اور دنیا کی تمام طاقتوں کے ساتھ ٹکرا جائے گا۔

قرآن کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک لاشٹھی لیے ہوئے پہنچ گئے۔ آخر اتنی بڑی طاقت کے مقابلے میں صرف دو آدمی کیسے ڈٹ گئے۔ ہر طرف اس لیے کہ انھیں اللہ کی پناہ کا یقین تھا۔ جب اللہ کی پناہ لے لی تو پھر اس کے بعد دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرائی جاسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ساری دنیا کے مقابلے میں کیسے کھڑے ہو گئے؟ صرف اس بنا پر کہ آپ کو اللہ پر پورا یقین تھا کہ میری پشت پر خدا کی طاقت ہے جو ساری کائنات اور ساری طاقتوں کا مالک ہے۔ اس طرح درحقیقت خدا کی پناہ کا یقین اور بھروسہ وہ چیز ہے۔

جس کی ضرورت سب سے زیادہ ان لوگوں کو ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے کھڑے ہوں، جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے تمام طاقتوں کے مقابلے میں ٹوٹ جانے کا عزم رکھتے ہوں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی ذرائع، کوئی لاؤشکر اور کوئی ساز و سامان ہو۔ انسان یہ جرأت اسی صورت میں کر سکتا ہے جب کہ اسے خدا کی پناہ کا یقین کامل ہو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بے نظیر کلام ہے جو ان دونوں سورتوں میں آیا ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کے فتنوں اور باطل قوتوں کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ لینے کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی کے نتیجے میں ایک مومن کے اندر اس کی پناہ کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

### ۲۳۔ قرآن کے الفاظ میں بھی برکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَدَّى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر بیٹے تو بیٹھنے سے پہلے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں



ملا کر ان میں سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھ کر پھینکتے تھے۔ پھر آپ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے پورے جسم پر، جہاں جہاں تک آپ کا ہاتھ پہنچتا تھا پھیرتے تھے۔ پہلے سر پر اور پھر جسم کے اگلے حصے پر۔۔۔۔۔ ایسا آپ تین مرتبہ کیا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

کلام الہی اپنے الفاظ میں، اپنی آواز میں، اور اپنے مضمون میں، سبھی طرح برکت رکھتا ہے۔ یہ سراسر برکت ہی برکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سے کلام الہی کو سمجھتے اور اس کے مطابق عمل فرماتے تھے اور اس کے منشا کے مطابق دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جدوجہد فرماتے تھے، اسی طرح سے آپ اس کلام کی باقی تمام برکتوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً قرآن پڑھ کر پانی پر پھونکنا اور خود پینا یا کسی کو پلا دینا، یا اس کو ہاتھوں پر پھونکنا اور جسم پر ملنا۔ ان طریقوں سے قرآن کی برکت کا کوئی ظاہری اور باطنی پہلو آپ نہیں چھوڑتے تھے۔۔۔۔۔ آج بھی اگر کوئی شخص یہ عمل کرے تو صحیح اور پسندیدہ ہے اور باعث برکت ہے بلکہ یہ بات ملحوظ رہے کہ اس برکت کا فائدہ حقیقت میں وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے ظاہر کے ساتھ اس کے باطن سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک آدمی قرآن کے منشا کے خلاف زندگی گزار رہا ہو اور پھر ثَلَّ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور ثَلَّ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر اپنے اوپر پھونک بھی رہا ہو تو سوال یہ ہے کہ وہ آخر کس شر سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ شر تو اس نے اپنے اندر بھر رکھا ہے کیا وہ اس شر سے پناہ مانگ رہا ہے کہ جو شرت خوری وہ کر کے آیا ہے اس پر پوچھیں اُسے نہ پکڑے۔ اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کی یہ برکتیں صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جو فی الواقع قرآن کے منشا کے مطابق کام کر رہے

ہوں۔ اس کے بعد قرآن کے الفاظ کی برکت بھی انہیں حاصل ہوگی۔ لیکن جو لوگ قرآن کے الفاظ و مضامین سے رات دن لڑ رہے ہوں اور اپنے قول و فعل سے اس کے معانی کی نفی کر رہے ہوں ان کے لیے یہ برکتیں نہیں ہو سکتیں۔

### — الفصل الثانی —

۲۴۔ قیامت کے روز کی تین فیصلہ کن چیزیں۔ قرآن، امانت، قرابت داری

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْقُرْآنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ — لَهُ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ — وَالْأَمَانَةُ وَالرَّحِمَةُ تُنَادِي: أَلَا مَنِّي وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللَّهُ.

(شرح السنّة للبخاری)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے روز عرش کے نیچے ہوں گی۔ ایک چیز قرآن ہے جو بندوں کے حق میں یا ان کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہوگا۔ اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ دوسری چیز امانت ہے اور تیسری چیز رحم یعنی قرابت داری ہے۔ رحم پکار رہا ہوگا کہ جس نے صلہ رحمی کی اللہ اُس کو جوڑے گا اور جس نے قطع رحمی کی اللہ اس کو کاٹے گا۔ (شرح السنّة)



قیامت کے روز قرآن مجید، امانت اور رشتہ داری کے عرش کے نیچے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیزیں وہاں انسانی شکل میں کھڑی ہوں گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ اہم چیزیں ہیں جو قیامت کے روز انسانی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے سامنے موجود ہوں گی۔ اس چیز کو اس تمثیلی رنگ میں پیش کیا گیا کہ جیسے کسی بڑے بادشاہ کے حضور میں اس کے تین بڑے مقرب کھڑے ہوئے یہ بتا رہے ہوں کہ کون آدمی کیسا ہے اور کس سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح گویا اس بات کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ کرنے میں سب سے پہلے جو چیز سامنے آئے گی وہ قرآن ہے۔ قرآن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ يُخَاجُّ الْعِبَادَ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ قرآن بندوں کے خلاف مقدمہ لڑے گا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے حق میں مقدمہ لڑے گا۔

یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ اَلْقُرْآنُ حَقٌّ لَّكَ اَوْ عَلَيكَ (قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا تیرے خلاف)۔ قرآن کے آجانے کے بعد اب معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اب یا تو وہ تمہارے حق میں حجت ہے اگر تم نے اس کے مطابق کام کیا ہے، اور یا وہ تمہارے خلاف حجت ہے اگر تم نے اس کے خلاف کام کیا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز یہ قرآن بندے کے حق میں یا اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔ ایک آدمی جب خدا کے حضور پیش ہو گا تو اس وقت اگر اس بات کا ثبوت ملا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں اپنا جو فرمان اس کے پاس بھیجا تھا اس نے اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی ہے تو قرآن ہی اس کے حق میں حجت پیش کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عرض

کرے گا کہ آپ کا بندہ آپ کے فراموشی کے مطابق دنیا میں کام کر کے آیا ہے اس لیے اسے یہ اجر اور جزا عطا کی جائے لیکن اگر وہ شخص قرآن پینچ جانے کے باوجود اس کے خلاف کام کرتا رہا تھا تو پھر قرآن بھی اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کا ایک نصاب ہے اور ایک باطن مطلب یہ ہے کہ ایک چیز تو قرآن کے صاف صاف الفاظ ہیں جو ہر شخص پڑھ سکتا ہے اور ایک چیز ان الفاظ کے معانی اور ان کا مدعا ہے۔ قیامت کے روز قرآن کے الفاظ بھی جنت ہوں گے اور اس کے معانی بھی۔ قرآن میں اگر صاف الفاظ میں ایک حکم بیان کر دیا گیا ہے کہ فلاں فعل ممنوع ہے اور کسی شخص نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو اس صورت میں قرآن کے الفاظ اس کے خلاف جنت ہوں گے۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے اندر وہ مطالب ہیں جو حق یہ معلوم ہو ہے کہ قرآن انسانی میں کس قسم کے اخلاق کو اُجھارنا چاہتا ہے اور کس قسم کے اخلاق کو دباننا چاہتا ہے۔ کون سی چیز اللہ کو پسند ہے اور کون سی ناپسند۔ اس طرح پورا قرآن یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرز زندگی کیا ہے اور کیا نہیں۔ اب اگر کسی شخص نے اس کے خلاف طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے تو پورے قرآن کی توجہ اور اس کے معانی اس شخص کے خلاف ہوں گے۔

● دوسری چیز جو عرش کے نیچے بندوں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرنے میں قرآن کے بعد اہم ترین ہو گی وہ امانت ہے۔ امانت کے محدود معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔ امانت کا عام مفہوم لوگوں کے ذہنی



کرے گا کہ آپ کا بندہ آپ کے فراموشی کے مطابق دنیا میں کام کر کے آیا ہے اس لیے اسے یہ اجر اور جزا عطا کی جائے لیکن اگر وہ شخص قرآن پینچ جانے کے باوجود اس کے خلاف کام کرتا رہا تھا تو پھر قرآن بھی اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کا ایک نصاب ہے اور ایک باطن مطلب یہ ہے کہ ایک چیز تو قرآن کے صاف صاف الفاظ ہیں جو ہر شخص پڑھ سکتا ہے اور ایک چیز ان الفاظ کے معانی اور ان کا مدعا ہے۔ قیامت کے روز قرآن کے الفاظ بھی جنت ہوں گے اور اس کے معانی بھی۔ قرآن میں اگر صاف الفاظ میں ایک حکم بیان کر دیا گیا ہے کہ فلاں فعل ممنوع ہے اور کسی شخص نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو اس صورت میں قرآن کے الفاظ اس کے خلاف جنت ہوں گے۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے اندر وہ مطالب ہیں جو حق یہ معلوم ہو ہے کہ قرآن انسانی میں کس قسم کے اخلاق کو اُجھارنا چاہتا ہے اور کس قسم کے اخلاق کو دباننا چاہتا ہے۔ کون سی چیز اللہ کو پسند ہے اور کون سی ناپسند۔ اس طرح پورا قرآن یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرز زندگی کیا ہے اور کیا نہیں۔ اب اگر کسی شخص نے اس کے خلاف طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے تو پورے قرآن کی روح اور اس کے معانی اس شخص کے خلاف ہوں گے۔

● دوسری چیز جو عرش کے نیچے بندوں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرنے میں قرآن کے بعد اہم ترین ہو گی وہ امانت ہے۔ امانت کے محدود معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔ امانت کا عام مفہوم لوگوں کے ذہنی

کے حوالے کی ہے وہ اس میں خیانت نہیں کرے گی۔ اسی طرح اولاد کا وجود بھی سراسر اعتماد پر مبنی ہے۔ اولاد اپنے والدین پر یہ اعتماد کرتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں بھلائی کریں گے اور جان بوجھ کر ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کریں گے۔ اولاد کی فطرت میں یہ اعتماد پایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ الفاظ میں اس کا اظہار ہو یا نہ ہو۔ ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے وہ اپنی فطرت میں ایک اعتماد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس کے اور اس کے والدین کے درمیان ایک غیر تحریری معاہدہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے وہ اس کی شرافت پر اعتماد کر کے دیتا ہے۔ ایک آدمی اگر کسی کی بیٹی کو بیاہ کر لاتا ہے تو وہ اس کے خاندان کی شرافت پر اعتماد کر کے بیاہ کر لاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ رشتہ داروں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر ہمسایہ اپنے ہمسائے پر یہ اعتماد کرنے پر مجبور ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو اس کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ اسی طرح آپ اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھیں گے کہ تمام انسانی تعلقات اس امانت داری اور اعتماد پر مبنی ہیں کہ اگر ایک آدمی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جا رہا ہے تو وہ معاملہ کرنے والے کے کسی حق میں خیانت نہیں کرے گا۔ کسی ملک کا پورا نظام حکومت ایک امانت ہی تو ہے۔ پوری قوم اپنی امانتیں حکومت کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ اپنا مستقبل، اور اپنے تمام ذرائع و وسائل اس کے حوالے کرتی ہے۔ حکومت کے جتنے ملازمین ہیں ان کے سپرد امانتیں ہی تو کی گئی ہیں۔ اسمبلیوں کے ارکان کو پوری قوم اپنی امانت ہی تو سونپتی ہے۔ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل ملک کی یہ فوج جسے



قوم منظم کر کے خود اپنے ملک میں رکھتی ہے اور عمرانی اہمیت کے مقامات پر لا کر بٹھاتی ہے، اسے اپنے خرچ سے ہتھیار فراہم کر کے دیتی ہے اور اپنی آمدنیوں کا ایک حصہ کاٹ کر ان کی تنخواہوں کا انتظام کرتی ہے، یہ اس اعتماد پر بھی تو بنائی اور رکھی جاتی ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کا فریضہ انجام دے گی اور جو دوسری اس کے سپرد کی گئی ہے اس میں خیانت نہیں کرے گی۔ اب اگر ان ساری امانتوں میں ہر طرف خیانت ہونے لگے تو انسانی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی بنا پر یہ امانت وہ عظیم الشان چیز ہے جو قیامت کے روز انسان کے خلاف یا اس کے حق میں مقدمہ لڑنے کے لیے موجود ہوگی۔ جس نے جتنی زیادہ خیانتیں کی ہوں گی وہ وہاں اتنا ہی بڑا مجرم شمار ہوگا اور جس نے ان امانتوں کا جتنا زیادہ حق ادا کیا ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ خدا کے انعام کا مستحق ٹھہرے گا۔

● تیسری چیز جو قیامت کے روز غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوگی وہ رحم ہے، یعنی رشتہ داری۔ رشتہ داری وہ چیز ہے جس پر انسانی تمدن کی تعمیر ہوئی ہے۔ انسانی تمدن کا آغاز ہی اس طرح ہوا ہے کہ ایک انسان کی اولاد اور پھر اس کے بعد اس کے دوسرے رشتہ دار جب جمع ہوتے ہیں تو ایک خاندان یا قبیلہ بنا ہے اور جب بہت سے خاندان اور قبیلے جمع ہوتے ہیں تب ایک قوم بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں صلہ رحمی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور قطع رحمی کو انسانی تہذیب و تمدن کی جڑ کاٹنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ رحم یعنی خونی رشتہ داری وہ تیسری چیز ہے جس پر قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ ہوگا۔ اس روز رحم پکار کر کہے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اسکا سے جوڑے گا اور جس نے مجھے

کے حوالے کی ہے وہ اس میں خیانت نہیں کرے گی۔ اسی طرح اولاد کا وجود بھی سراسر اعتماد پر مبنی ہے۔ اولاد اپنے والدین پر یہ اعتماد کرتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں بھلائی کریں گے اور جان بوجھ کر ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کریں گے۔ اولاد کی فطرت میں یہ اعتماد پایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ الفاظ میں اس کا اظہار ہو یا نہ ہو۔ ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے وہ اپنی فطرت میں ایک اعتماد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس کے اور اس کے والدین کے درمیان ایک غیر تحریری معاہدہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے وہ اس کی شرافت پر اعتماد کر کے دیتا ہے۔ ایک آدمی اگر کسی کی بیٹی کو بیاہ کر لاتا ہے تو وہ اس کے خاندان کی شرافت پر اعتماد کر کے بیاہ کر لاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ رشتہ داروں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر ہمسایہ اپنے ہمسائے پر یہ اعتماد کرنے پر مجبور ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو اس کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ اسی طرح آپ اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھیں گے کہ تمام انسانی تعلقات اس امانت داری اور اعتماد پر مبنی ہیں کہ اگر ایک آدمی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جا رہا ہے تو وہ معاملہ کرنے والے کے کسی حق میں خیانت نہیں کرے گا۔ کسی ملک کا پورا نظام حکومت ایک امانت ہی تو ہے۔ پوری قوم اپنی امانتیں حکومت کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ اپنا مستقبل، اور اپنے تمام ذرائع و وسائل اس کے حوالے کرتی ہے۔ حکومت کے جتنے ملازمین ہیں ان کے سپرد امانتیں ہی تو کی گئی ہیں۔ اسمبلیوں کے ارکان کو پوری قوم اپنی امانت ہی تو سونپتی ہے۔ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل ملک کی یہ فوج جسے



جہاں تک تو پڑھتا جاسنے گا۔ (اممہ۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن سے شغف رکھنے کی بنا پر ممتاز ہو۔ جیسے صاحب الحدیث ہم اُسے کہتے ہیں جو حدیث سے زیادہ شغف رکھنے والا ہو۔ گو یا کسی خاص چیز کا صاحب وہ شخص ہوتا ہے جو اس چیز کے ساتھ خاص نسبت، تعلق اور شغف رکھتا ہو۔ چنانچہ صاحب قرآن وہ شخص ہے جو دنیا میں قرآن سے زیادہ شغف رکھتا تھا اور قرآن کے پڑھنے، سمجھنے اور غور کرنے میں زیادہ مشغول رہتا تھا۔ قیامت کے روز اس سے یہ کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلند درجات کی طرف ترقی کرتا چلا جا۔ تیری منزل وہ ہے جہاں تو جا کر آخر کار ٹھہرے گا۔ یعنی جس مقام پر تو قرآن کی آخری آیت پڑھے گا وہ مقام تیرے لیے ہمیشہ ہمیشہ قیام کرنے کا ہو گا۔ اس لیے فرمایا کہ جیسے ٹھہر ٹھہر کر اور آہستہ آہستہ تو دنیا میں پڑھتا تھا اسی طرح سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا کہ تو زیادہ اونچی منزل پر پہنچ جاتے۔

## ۲۶۔ جس سینے میں قرآن نہیں وہ ایک ویرانہ ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ الذِّمِّيَّ لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَأَلْيَتِ الْخَبَبِ. (رواه الترمذی والذہبی)

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں ہے اُسکی مثال انجر لے ہونے لگ کر کی سی ہے۔ (ترمذی، دارمی)

اگر کسی کا سینہ قرآن سے خالی ہے تو وہ ایک ایسا ویران گھر ہے جہیں بسے والا

کوئی نہیں ہے۔ اس سینے میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اسے ایک صاحب ضمیر اور ذی شعور انسان کا سینہ کہا جاسکے۔

۲۷۔ اللہ کا کلام دوسرے کلاموں اسی طرح افضل جس طرح خود اللہ تعالیٰ،

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي مَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِهِ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ۔

(رواہ الترمذی والداری و البیہقی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید (کے مطالعہ) نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے دعا مانگنے سے روک رکھا ہو میں اُس کو وہ افضل ترین چیز دوں گا جو دعا مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ (ترمذی، داری، بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھنے میں اس طرح مشغول رہا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے دوسرے اذکار و اوراد (مثلاً سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ وغیرہ) پڑھنے کی فرصت نہیں ملی، یہاں تک کہ دعا مانگنے کا بھی وقت نہیں ملا تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جو بڑی سے بڑی چیز وہ دعا مانگنے



کاٹا اللہ اسے کاٹے گا۔ جب ایک آدمی اپنے رشتہ داروں کے مقابلے میں بے رحم ہو اور ان کے ساتھ سرد مہری بہتے والا ہو تو پھر وہ دنیا میں کسی کا دوست نہیں بن سکتا۔ اس کے بعد اگر وہ کسی کا دوست بننا ہے تو شخص اغراض اور مفاد کے لیے دوست بننا ہے۔ اس کا مفاد جہاں تک اس کا ساتھ دیتا ہے وہاں تک وہ دوست ہوتا ہے اور جہاں اس کے مفاد پر زور پڑتی ہے وہیں وہ اپنے دوست کے ساتھ غداری کرتا ہے۔ یہ عین فطری بات ہے کہ جو اپنے بھائی کا نہ ہو وہ کسی اور کا کیا ہو گا۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں صلہ رحمی کو اس قدر زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس چیز کا ذکر یہاں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

### ۲۵۔ صاحب قرآن کا ترجمہ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ إِفْرًا وَارْتِقًا وَكَرْتًا كَمَا كُنْتَ تُرْتَلُّ فِي الدُّنْيَا مَنَزِلُكَ عِنْدَ أَحَدِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا۔

(تذکار احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا میں قرآن سے شغف رکھتا تھا، قدامت کے روز اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا اور بلند کی طرف جھٹھانا اور اسی رفتار سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا جس طرح کہ اس نے پڑھنا تھا۔ تیسری منزل وہ آخری آیت حمد کی

تو یہ مخلوق کے کلام سے اتنا ہی افضل ہے جتنا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے افضل ہے۔  
 اوپر کے قول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا انفاذ اس لیے  
 فرمایا کہ قرآن کے ماسوا مختلف اذکار و اُوراد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر کیا  
 جاتا ہے۔ اس کا واسطہ انسانی کلام ہے خدا کا کلام نہیں ہے۔ اور انسانی کلام  
 خواہ کتنا ہی افضل اور اعلیٰ ہو وہ اللہ کے کلام کے مقابلے میں تو فروتر ہی ہو گا۔ اللہ  
 کے کلام کو اس پروردگار برتری کا حامل ہے جو اس کو اپنی مخلوق پر ہے اس لیے جتنا وقت  
 بھی تم نے اللہ کے کلام کو پڑھنے میں صرف کیا وہ بڑے نعمتی کام میں صرف ہوا۔  
 کوئی وظیفہ پڑھتے یا دعا مانگتے تو اپنا وقت کمتر درجے کے کام میں صرف کرتے۔  
 اس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمادیا کہ اگر کوئی شخص اللہ  
 تعالیٰ کا ذکر کرنے یا دعا مانگنے کے بجائے اپنا وقت قرآن ہی پڑھنے میں صرف کر  
 رہا ہو تو اسے وہ سب کچھ کیوں ملتا ہے جو دعا مانگنے والوں کو ملتا ہے۔

### ۲۱۔ قرآن کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ہیں

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ  
 فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا  
 أَقُولُ الْم حَرْفٌ. أَلِفٌ حَرْفٌ وَلاَمٌ حَرْفٌ  
 وَمِيمٌ حَرْفٌ. (رواه الترمذی و الدارمی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف  
 پڑھتا ہے اس کے بدلے میں اس کی ایک نیکی شمار ہوتی ہے۔ اور



(قرآن میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ) ہر نیکی کے بدلے میں دس گنا اجر ہے۔۔۔۔۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ اللہ ایک حرف ہے۔ نہیں، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذیؒ - دارمیؒ)

## ۲۹۔ قرآن ہر زمانے کے فتنوں سے بچانے والا ہے

عَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَجِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ يَخْلُضُونَ فِي الْأَحَادِيثِ فَدَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ فَأَخْبَرْتَهُ فَقَالَ أَوْفَعَلَوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَلَا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ حَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ وَمَنْ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينِ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَفْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقُضُ عَجَائِبُهُ هُوَ الَّذِي لَوْ تَلْتَمَسَ الْبَحْثُ إِذْ سَمِعْتَهُ حَتَّى قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا

عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ، مَنْ قَالَ بِهِ  
صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ  
عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت حادثؓ انور بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں (کوٹہ کی) مسجد  
میں لوگوں کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ ایسی باتوں میں  
مشغول ہیں۔ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے انھیں  
اس چیز کی خبر دی (کہ لوگ اس طرح مسجد میں بیٹھے ہوئے فنڈول باتیں  
کر رہے ہیں)۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا لوگ واقعی ایسا کر رہے  
ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں! اس پر انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے ”خبردار رہو! عنقریب  
ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے۔“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اس  
سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟“ — حضورؐ نے ارشاد فرمایا:  
کتاب اللہ — اس میں اس چیز کی خبر بھی ہے کہ تم سے پہلے کی  
قوموں پر کیا گزری، اور اس بات کی خبر بھی ہے کہ تمہارے بعد میں آنے  
والوں پر کیا گزرے گی، اور اس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تمہارے معاملات  
کے درمیان فیصلہ کرنے کی صورت کیا ہے — یہ قرآن ایک  
سنجیدہ اور فیصلہ کن کلام ہے، کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے —  
ہر کوئی ظالم و جبار شخص اس قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو کھل کر  
رکھ دے گا اور جس نے اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے  
کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ — اور یہ قرآن



(تقریباً ۷۰۰، ۷۵۰)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : [www.iqbalkalmati.blogspot.com](http://www.iqbalkalmati.blogspot.com)

● **هُوَ الْفَضْل** کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید دو ٹوک اور فیصلہ کن بات کہتا ہے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہے۔ اس میں کوئی ایک بات بھی بطور مذاق نہیں کہہ دی گئی ہے کہ اس کے مانتے یا نہ مانتے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس کتاب کے سوا اب اور کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی دوسرے ذریعے کی طرف رجوع کر دے تو سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

● فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے، یعنی یہ بندوں اور خدا کے درمیان تعلق کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر کسی نے اس کو مٹا تو خدا سے اس کا تعلق قائم ہو گیا اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو خدا سے اس نے اپنا تعلق کاٹ لیا۔

● قرآن کے حکیمانہ نصیحت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جو سراسر حکمت اور دانائی پر مبنی ہے۔

● فرمایا گیا کہ قرآن وہ چیز ہے جسے تخیلات غلط راستے پر نہیں لے جا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کو اپنا رہنما بنالے، اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور زندگی میں پیش آنے والے مسائل و معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے تو پھر اسے نہ اس کے اپنے تخیلات بھٹکا سکتے ہیں اور نہ دوسروں کے خیالات گمراہ کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر ایک آدمی پہلے سے بعض تخیلات کو اپنے ذہن میں راسخ کر چکا ہو، اور یہی نہیں بلکہ قرآن کو بھی ان کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کے لیے ان تخیلات سے بچاؤ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ہاں اگر ایک شخص خلوص دل کے ساتھ قرآن ہی سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا



ہے اور یہ فیصلہ کر کے بیٹھتا ہے کہ جو کچھ یہاں ملے گا وہ اسے مانے گا اور جو کچھ یہاں نہیں ملے گا وہ اسے نہیں مانے گا تو ایسے شخص کو نہ اپنے تخیلات بھٹکائیں گے اور نہ دوسروں کے افکار گمراہ کر سکیں گے۔

● پھر ارشاد ہوا کہ زبانیں اس قرآن میں کسی طرح کی آمیزش نہیں کر سکتیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے اندر کسی انسانی کلام کی آمیزش کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکے گا۔

یہ واقعہ ایک صریح معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ بات ارشاد فرمائی تھی تو اس وقت یہ کلام ابھی پیش ہی کیا گیا تھا۔ لیکن آج تقریباً چودہ سو برس گزر چکے ہیں اور کوئی شخص آج تک اس کے اندر کسی طرح کا رد و بدل نہیں کر سکا۔ اُس وقت تو خدا اور اس کے رسول کے سوا اس بات کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ قرآن میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہو سکے گی اور یہ بات بہر حال پیشگی علم کی بنا پر کہی گئی تھی، لیکن آج یہ بات صدیوں کے تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ فی الواقع حق تھا۔ اسی چیز کا نام معجزہ ہے۔

● فرمایا کہ علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایک عالم قرآن کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے میں اپنی عمر گزار دے گا لیکن کبھی اس سے سیر نہیں ہو سکے گا۔ اس پر کوئی وقت ایسا نہیں آئے گا جب وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قرآن سے اسے جو کچھ سمجھنا تھا وہ سب کچھ اس نے سمجھ لیا اور اب اسے مزید کسی علم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آج تک کبھی کسی عالم کی زبان پر یہ بات نہیں آئی ہے کہ اب میں قرآن سے سیر ہو چکا ہوں اب اس میں مزید کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو مجھے حاصل کرنی ہو۔

● پھر فرمایا کہ قرآن کو خواہ کتنا ہی ٹڑھو یہ پڑانا نہیں ہوتا۔

آپ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی کتاب کو بھی زیادہ سے زیادہ دو چار یا حد سے حد دس بیس مرتبہ پڑھیں گے بالآخر اکتا جائیں گے لیکن قرآن وہ کتاب ہے کہ عمر بھر اور بار بار پڑھتی جاتے رہیں گے باوجود بلذت اس سے نہیں بھرتی۔ بخیر نما سورۃ فاتحہ تو دن میں لاکھ بھگ چپاس مرتبہ پڑھتی جاتی ہے لیکن معاذ اللہ کبھی کسی کے دل میں یہ سیرازی پیدا نہیں ہوتی کہ کب تک وہ ایک ہی چیز کو دہراتا رہے۔ لاریب یہ اس کلام کا ایک معجزہ ہے اور اس کی غیر معمولی خوبی کا ایک نشان۔

● ارشاد ہوا کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ \_\_\_\_\_ واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی عمر قرآن مجید کو پڑھتے، اس پر غور کرتے اور تحقیق کرتے گزر جاتی ہے لیکن اس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس کے مطالعے کے بعد کسی وقت قرآن کو قبول کر پڑتا ہے تو کوئی آیت ایسی سامنے آتی ہے جسے پڑھ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا آج پہلی مرتبہ پڑھی ہے۔ کوئی ایسا مضمون اس سے نکلتا ہے جو عمر بھر کے مطالعہ میں بھی نہیں نکلتا۔ اسی سے فرمایا گیا کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

● قرآن مجید کو سن کر جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ سورۃ جن اور احقاف میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایسا موثر کلام ہے کہ انسان تو انسان جن بھی اگر اس کلام کو ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر کھلے دل سے سنیں تو وہ بھی اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف اُسی پر ایمان لاکر راہِ ہدایت مل سکتی ہے۔



قرآن مجید کی ان تمام صفات کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں جو فتنہ آنے والا ہے اس سے بچانے والی چیز سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہوگی اور اس بات کی وضاحت فرمادی کہ قرآن کی کیا خصوصیات اور کیا کمالات ہیں جن کی بنا پر یہ قیامت تک انسان کو ہر فتنے سے بچاتا رہے گا۔

### ۳۰۔ عال قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنایا جائے گا

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ الْبِرَّ وَالْإِدَاءَ تَأَجَّلَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءٌ ذَا أَحْسَنَ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بَيْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا۔  
(دَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائیگا جس کی روشنی ایسی ہوگی کہ اگر سورج بھی تمھارے گھر میں اتر آئے تو وہ اس کی روشنی سے ٹکدہ ہوگی۔ پھر تمھارا کیا خیال ہے کہ جو شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے اس کی شان کیا ہوگی۔  
(امام ابو داؤد)

یہاں ان والدین کا ذکر نہیں ہے جو اپنی اولاد کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں

اور قرآن پڑھنے والے بچے سے یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ملائین گیا ہے اب یہ ہمارے کسر  
 کام کا۔ یہ کیا دنیا کھائے گا، یہ تو قرآن پڑھنے میں لگا گیا ہے۔ اس  
 کے برعکس یہاں ان والدین کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے بچے کو قرآن پڑھایا اور  
 اسے ایسی تربیت دی کہ وہ ان کی زندگی میں نبی اور ان کے بعد نبی قرآن پڑھتا رہا،  
 اور اس نے اپنی عملی زندگی کی تمہیر بھی اس کے مطابق کی۔ اس کے قرآن پڑھنے اور  
 اس پر عمل کرنے کا نہ صرف یہ کہ خود اس کو اجر ملے گا بلکہ اس کے والدین بھی اجر  
 پائیں گے۔ وہ اجر یہ ہو گا کہ قیامت کے روز انھیں بزرگی اور افتخار کا روضہ  
 تاج پہنایا جائے گا۔ اس چیز سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو  
 شخص خود قرآن کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی کیا  
 کچھ مہربانیاں ہوں گی اور وہ کیا کچھ اجر پائے گا۔

۳۱۔ قرآن کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي  
 نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنْ الرِّبْلِ فِي ب  
 حَقِّهِ. (مُسْتَفْتَى عَلِيهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن مجید کو ذہن میں محفوظ رکھنے اور یاد رکھنے  
 کا اہتمام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے ہاتھ میں میری جان ہے یہ ذہن سے  
 نکلنے کے لیے اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ جلدی کرتا ہے جس طرح  
 بندھے ہوئے اونٹ رسی ٹرٹا کر سجاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (مستفتی علیہ)



مراد یہ ہے کہ اگر آدمی قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی فکر نہ کرے تو یہ آدمی کے ذہن سے اس طرح فرار کرتا ہے جس طرح اُونٹ رستی تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس قرآن مجید کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ انسان اسے پوری ارادی قوت کے ساتھ قرآن کو قبول کرنے اور ذہن نشین کرنے پر مجبور نہ کرے، اگر یہ اہتمام نہ کیا جائے تو وہ قرآن مجید کو اگل دینے اور اس سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کے اندر یہ کمزوری موجود ہے کہ وہ قرآن کی عاید کردہ پابندیوں سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ ان حدود سے تجاوز کرنا چاہتا ہے جو قرآن اس کے لیے مقرر کرتا ہے اسی وجہ سے ایک بندہ نفس جو اپنے نفس پر جبر کر کے اُسے خدا کی اطاعت پر آمادہ کرنے والا نہیں ہوتا وہ بعض اوقات قرآن کو سنتے ہوئے گھبراتا ہے کہ نہ معلوم کون سی آیت ایسی آجائے جو اس پر حجت تمام کر کے اُسے مجبور کر دے کہ وہ اپنے غلط اور ناجائز کاموں سے باز آجائے۔ اسی لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد کرنے کے بعد اُسے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرو تاکہ یہ تمہاری غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے فراموش نہ ہو جائے

۳۲۔ قرآن کو یاد کر کے مجلا دینا بہت بُری بات ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُولَ نَبِئْتُ آيَةً كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نَسِیَ وَاسْتَذْكُرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنْ صُدُورِ الرَّجَالِ مِنَ النَّعِيمِ (مُسْتَفْقٌ عَلَيْهِ وَذَادٌ مُسْلِمٌ : بِمَعْتَلِبًا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی کے لیے بہت بُری بات ہے کہ وہ یہ کہے: ”میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں۔“ اصل بات یہ ہے کہ وہ اسے اس کی غفلت کی بنا پر بھول دیا جاتا ہے۔

قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کہ وہ لوگوں کے سینوں سے اونٹوں سے بھی بڑھ کر نکل جھانگنے کی کوشش کر لے (اُن اونٹوں سے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں)۔ (متفق علیہ)

یہاں بھی وہی چیز دوسرے پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ کسی شخص کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد بھلا دنیا بہت بُری بات ہے۔ اس کا بھول جانا اور اصل اس بات کی علامت ہے کہ اُس نے قرآن کی پروا نہیں کی اور اسے یاد کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف سے بے نیازی برتنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔ وہ اپنا کلام ایسے آدمی کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا جو اس کا قدر شناس نہ ہو۔ اس لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو اور یاد کرنے کے بعد اسے بھلا نہ دو۔

## ۲۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ لُؤْلُؤٍ مَعْقُودٍ إِنْ نَظَرَ عَلَيْهِمْ أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)



حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قرآن یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس بندھے ہوئے اونٹ ہوں۔ اگر وہ ان کی حفاظت کی فکر کرے گا تو وہ اس کے پاس رہیں گے اور اگر وہ انہیں آزاد کر دے گا تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تین مختلف روایتوں میں ایک ہی جیسا منعمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر یہ بات لوگوں کو ذہن نشین کرائی ہے کہ جتنا قرآن یاد کرو اتنا یاد رکھنے کی کوشش بھی کرو۔ اگر اسے بار بار تکرار کے ذریعے سے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کرو گے تو یہ تمہارے ذہن سے نکل جائے گا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ قرآن کے حفاظ ہمیشہ قرآن دہراتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں رمضان میں قرآن سنانا ہو تو اس کے لیے انہیں کافی پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر آدمی قرآن یاد کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کرے تو یہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے

۳۳۔ قرآن کو دلجمعی اور کسوٹی کے ساتھ پڑھو

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَأُوا الْقُرْآنَ مَا اتَّخَفْتُمْ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَمُؤَاعَنَةُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

● پھر فرمایا کہ قرآن کو خواہ کتنا ہی ٹڑھو یہ پڑانا نہیں ہوتا۔

آپ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی کتاب کو بھی زیادہ سے زیادہ دو چار یا حد سے حد دس بیس مرتبہ پڑھیں گے بالآخر اکتا جائیں گے لیکن قرآن وہ کتاب ہے کہ عمر بھر اور بار بار پڑھتی جاتے رہیں گے باوجود بلدیعت اس سے نہیں بھرتی۔ بخیر صاف سورۃ فاتحہ تو دن میں لاکھ بھگ چپاس مرتبہ پڑھتی جاتی ہے لیکن معاذ اللہ کبھی کسی کے دل میں یہ سیراز کی پیدا نہیں ہوتی کہ کب تک وہ ایک ہی چیز کو دہراتا رہے۔ لاریب یہ اس کلام کا ایک معجزہ ہے اور اس کی غیر معمولی خوبی کا ایک نشان۔

● ارشاد ہوا کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ \_\_\_\_\_ واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی عمر قرآن مجید کو پڑھتے، اس پر غور کرتے اور تحقیق کرتے گزر جاتی ہے لیکن اس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس کے مطالعے کے بعد کسی وقت قرآن کو قبول کر پڑتا ہے تو کوئی آیت ایسی سامنے آتی ہے جسے پڑھ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا آج پہلی مرتبہ پڑھی ہے۔ کوئی ایسا مضمون اس سے نکلتا ہے جو عمر بھر کے مطالعہ میں بھی نہیں نکلتا۔ اسی سے فرمایا گیا کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

● قرآن مجید کو سن کر جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ سورۃ جن اور احقاف میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایسا موثر کلام ہے کہ انسان تو انسان جن بھی اگر اس کلام کو ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر کھلے دل سے سنیں تو وہ بھی اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف اُسی پر ایمان لاکر راہِ ہدایت مل سکتی ہے۔



قرآن مجید کی ان تمام صفات کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں جو فتنہ آنے والا ہے اس سے بچانے والی چیز سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہوگی اور اس بات کی وضاحت فرمادی کہ قرآن کی کیا خصوصیات اور کیا کمالات ہیں جن کی بنا پر یہ قیامت تک انسان کو ہر فتنے سے بچاتا رہے گا۔

### ۳۰۔ عال قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنایا جائے گا

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ الْبِرَّ وَالْإِدَاءَ تَأَجَّأَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءًا أَحْسَنَ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بَيْتِ الدُّنْيَا كَوْنًا كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا۔  
(دَعَاةُ أَحْمَدَ وَآبُوهُ إِذَا دَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائیگا جس کی روشنی ایسی ہوگی کہ اگر سورج بھی تمھارے گھر میں اتر آئے تو وہ اس کی روشنی سے ٹکدہ ہوگی۔ پھر تمھارا کیا خیال ہے کہ جو شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے اس کی شان کیا ہوگی۔  
(امام ابو داؤد)

یہاں ان والدین کا ذکر نہیں ہے جو اپنی اولاد کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں

۳۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَّا أَذِنَ لِنَبِيِّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ. (مُسْتَفْقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے کہ ایک خوش آواز نبی کے قرآن پڑھنے کو سنا ہے جبکہ وہ باوازا بلند پڑھ رہا ہو۔ (مستفق علیہ)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے الفاظ اگرچہ کسی قدر مختلف ہیں لیکن ان دونوں کا مضمون اور مفہوم ایک ہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر کوئی چیز مرغوب اور محبوب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جس نعمت اور توجہ سے نبی کے قرآن پڑھنے کو سنا ہے اس محبت اور توجہ سے کسی اور چیز کو نہیں سنا۔

۳۸۔ جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَرَّبْ بِالْقُرْآنِ. (مَعَادَةُ الْبُخَارِيِّ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھنے یا جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے۔ (بخاری)“



یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ خوش آوازی سے مراد کیا ہے :

قرآن خوش آوازی سے پڑھنا اور چیرہ پہ اور گاکر پڑھنا اور چیرہ خوش آوازی سے پڑھنا یہ ہے کہ آدمی اسے اچھے طریقے سے اور اچھی آواز کے ساتھ پڑھے تاکہ سننے والا اس کی طرف متوجہ بھی اور اس سے متاثر بھی ہو۔ پھر خوش آوازی میں صرف آواز کی خوبی ہی شامل نہیں بلکہ یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی ایسے طریقے سے پڑھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ایک ایک آیت کا اثر قبول کرتے ہوئے پڑھ رہا ہے۔ قرآن پڑھنے کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ آدمی جس مضمون کی آیت پڑھ رہا ہو اس کی کیفیت بھی اس پر ظاہر ہو۔ مثلاً اگر کوئی عذاب کی آیت ہے تو اس میں اس کا لب و لہجہ ایسا ہو کہ جیسے اس پر خوف کی سی کیفیت ظاہر ہے اگر وہ کوئی ثواب کی سی آخرت کی نعمتوں کی آیت پڑھ رہا ہو تو وہ اسے اس طرح سے پڑھے کہ جیسے اس پر ایک انداز اور مسرت کی کیفیت ظاہر ہے۔ اسی طرح اگر کسی آیت میں استفہام ہے تو وہ اسے استفہام کے انداز میں ادا کرے۔ اس طرح قرآن مجید کو خود سمجھ کر اور اس سے متاثر ہوتے ہوئے ایسے انداز سے پڑھنا چاہیے جس سے سننے والا خوش آوازی سے متاثر ہونے کے علاوہ اس سے اس طرح اثر قبول کرے جس طرح کسی اچھے مقرر کی تقریر کا اثر قبول کرتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو اور قرآن کو غرض گانے کی سی منزل کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ تَفَنُّی بِالْقُرْآنِ نہیں ہے۔ اسے جدید دور کی اصطلاح میں ثقافت کا نام تو دیا جائے گا مگر وہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کی۔

تَفَنُّی بِالْقُرْآنِ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کو لے کر آدمی دنیا کی ہر چیز سے مستغنی ہو جائے۔ اس کے بعد اسے چاہے وہ اس خدا پر بھروسہ کرے جس کا وہ کلام ہے۔ پھر کسی کے آگے نہ تو اس کا ہاتھ پھیلے نہ اس کی گردن جھکے پھر نہ وہ کسی سے

ڈرے اور کسی سے کوئی طمع رکھے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو اس نے قرآن کو بھیسک کا ٹکڑا تو بنالیا لیکن اسے لے کر وہ دنیا سے مستغنی نہیں ہوا۔

۳۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ اور فریضہ شہادت حق

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: اقْرَأْ عَلَيَّ، قُلْتُ اقْرَأْ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أَنْزَلَ؟ قَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ سُورَةَ النَّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ: فَكَيْفَ إِذَا جُنْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجُنَّابُكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدٌ، قَالَ مَسْبُوكُ الْأَنْ، فَالْتَفَتْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِي قَانِ. (مُسْتَفْقٌ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ وہ منبر پر تشریف فرما تھے، مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں درآنحالیکہ آپ ہی پر تو قرآن اتر رہا ہے؟ حضور نے فرمایا: ہاں میں چاہتا کہ قرآن کسی دوسرے شخص سے سنوں۔ پھر میں نے سورۃ نساء کی تلاوت کی۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پہنچا —————  
”کیا بنے گی ان لوگوں پر اس وقت جبکہ ہم ہر اُمت پر ایک گواہ لائیں گے اور اسے نبی، ہم آپ کو اس اُمت پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔“  
جب میں اس مقام پر پہنچا تو حضور نے فرمایا: بس کافی ہے۔ اچانک



حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی کے لیے بہت بُری بات ہے کہ وہ یہ کہے: ”میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں۔“ اصل بات یہ ہے کہ وہ اسے اس کی غفلت کی بنا پر بھول دیا جاتا ہے۔

قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کہ وہ لوگوں کے سینوں سے اونٹوں سے بھی بڑھ کر نکل جھانگنے کی کوشش کر لے (اُن اونٹوں سے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں)۔ (متفق علیہ)

یہاں بھی وہی چیز دوسرے پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ کسی شخص کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد بھلا دنیا بہت بُری بات ہے۔ اس کا بھول جانا اور اصل اس بات کی علامت ہے کہ اُس نے قرآن کی پروا نہیں کی اور اسے یاد کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف سے بے نیازی برتنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔ وہ اپنا کلام ایسے آدمی کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا جو اس کا قدر شناس نہ ہو۔ اس لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو اور یاد کرنے کے بعد اسے بھلا نہ دو۔

## ۲۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ لُؤْلُؤٍ مَعْقُودٍ إِنْ نَظَرَ عَلَيْهِمْ أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ نے یہ آیت سُنی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس خیال نے آپ کو بے تاب کر دیا کہ مجھے کتنی بڑی ذمہ داری کے منہم پر کھانا اکیا گیا ہے۔ آج سے لے کر قیامت تک جتنے انسان بھی ہوں گے ان سب پر خدا کی جنت میرے ذریعہ سے تمام ہوگی۔ اگر مجھ سے اس جنت کو پورا کرنے میں ذمہ داری برابری کمی رہ گئی تو مجھے اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔

غور کیجئے — کیا اس سے بڑا کوئی منصب اس دنیا میں ممکن ہے اور کیا ایک انسان کی اس سے بڑی کوئی ذمہ داری ہو سکتی ہے کہ اس کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں پر خدا کی جنت پوری ہونے کی ذمہ داری تنہا اس کی ذات پر ہو۔ عملاً یہ منصب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اسی کٹھن ذمہ داری کے احساس سے حضور کی کمر دہری ہوئی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دلانے کے لیے یہ الفاظ فرمائے:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الم نشرح: ۲۷)

(اور ہم نے آپ سے سے وہ بیماری بوجھ اُتار دیا جو آپ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا) ایک طرف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس عظیم اور کٹھن ذمہ داری کا شدید احساس تھا اور دوسری طرف آپ ہر وقت اس غم میں گھلے جاتے تھے کہ جن لوگوں کو میں ہدایت کی طرف بلا رہا ہوں وہ اس سے مسلسل جبرائلی کر کے نمود کو ایک خوفناک انجام کی طرف تشکیل رہے ہیں۔ قرآن میں آپ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

أَعْلَاكَ بِأَخْعَافِ نَفْسِكَ أَنْ لَا يَكُونُوا آمِنِينَ (النساء: ۳۰)

(نہایت آپ اس غم میں اپنی جان کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے) یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے وہ آیت سُنی تو



آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ بس یہیں رُک جاؤ  
اب آگے کا کھل نہیں ہے۔

۱۰۔ علم قرآن کی برکت سے حضرت ابی بن کعب کا اعزاز

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لِأَبِي بَنْ كَعْبٍ : إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ  
عَلَيْكَ الْقُرْآنَ ، قَالَ اللَّهُ سَمَائِي لَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ ،  
قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؟ قَالَ نَعَمْ ،  
فَذُكِرْتُ عَيْنًا ، وَفِي رِوَايَةٍ : إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ  
أَقْرَأَ عَلَيْكَ : لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا ، قَالَ وَسَمَائِي ؟  
قَالَ نَعَمْ ، فَبَكَى . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وعلیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم  
دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سنائوں۔ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا :  
کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ بات فرمائی ہے ؟ حضور نے فرمایا :  
ہاں۔ انھوں نے دوبارہ عرض کیا : کیا سچ ہے میرا ذکر اللہ رب العالمین کے  
حضور میں ہوا ؟ حضور نے ارشاد فرمایا : ہاں۔ اس پر حضرت ابی بن کعب رضی  
اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلیے۔ — ایک روایت میں رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آتے ہیں : اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں لَسَمَ  
يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا . . . . . لے پڑھ کر سنائوں۔ حضرت ابی بن

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ۔

حضرت مجتہد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن اُس وقت تک پڑھو جب تک کہ تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ جب دل نہ لگ رہا ہو تو پڑھنا چھوڑ دو۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ آدمی ایسی حالت میں قرآن نہ پڑھے جب کہ اس کا ذہن قرآن کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو۔ آدمی بتنا کچھ دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھ سکتا ہو اتنا کچھ پڑھے۔ اصل چیز منزل پوری کرنا نہیں ہے بلکہ قرآن کو پوری توجہ سے اور اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پڑھنا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اگر آپ نے ایک پارہ پڑھنے کا ارادہ کیا ہے تو آپ اس حالت بھی بیٹھے ہوئے اسے پڑھتے ہیں جبکہ آپ کا ذہن اس کی طرف یکسو نہ ہو رہا ہو۔ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ آپ ایک ہی رکوع پڑھیں لیکن اچھی طرح سے دل لگا کر پڑھیں۔ اگر آدمی یہ نہ کر سکے تو محض منزل پوری کر لینے سے کیا حاصل۔

۳۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ قراءت

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَمْدُ بِبِسْمِ اللَّهِ وَيَمْدُ بِالرَّحْمَنِ وَيَمْدُ بِالرَّحِيمِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا طریقہ کیا تھا۔ انہوں نے



حضرت عجمہ اللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر جائے۔ \_\_\_\_\_ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ قرآن لے کر (دشمن کی سرزمین میں) نہ جاؤ ۔

مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ (متفق علیہ)  
مدعا یہ ہے کہ جس جگہ قرآن مجید کی تشریح اور بے ادبی ہوئے کا اندیشہ ہو  
وہاں جان بوجھ کر قرآن کا لے جانا درست نہیں۔

۴۲۔ اصحابِ حقہ کی فضیلت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَلَسْتُ فِي  
عَصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ  
لَيَسْتَرِبُّ بَعْضُ مِنَ الْحَرِيِّ وَالْقَارِي يُقْرَأُ عَلَيْنَا إِذَا  
جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا،  
فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ  
الْقَارِيُ فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قُلْنَا  
كُنَّا نَسْتَمِعُ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ، فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي  
جَعَلَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ أَمَرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ،  
قَالَ فَجَلَسَ وَشَطَنَّا لِيُعْدِلَ بِنَفْسِهِ فِينَا، ثُمَّ  
قَالَ بِيَدِهِ هَكَذَا افْتَحَلُّقُوا وَبَرَزْتُ وَجُوهَهُمْ لَهُ،  
فَقَالَ أَبْشِرُوا يَا مَعْشَرَ صَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ

بِالنُّورِ الشَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ  
أَغْنِيَاءِ النَّاسِ يَنْصَفُ يَوْمٌ ذَلِكَ خَمْسُ مِائَةٍ  
سَنَةٍ - (مَرَاةَ ابْنِ دَاوُدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز غریب  
اور خستہ حال مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی  
کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اوٹ لے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس  
تنہا ڈھانکنے کو پورے کپڑے نہیں تھے اور (انہی مہاجرین میں سے)  
ایک فارسی نہیں قرآن پڑھ کر سارا تھا۔ اسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم تشریف لائے اور ہمارے مجمع کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ جب حضور  
آکر کھڑے ہوئے تو جو صاحب قرآن پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔  
حضور نے ہم لوگوں کو سلام کہا اور پھر فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟  
ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب سن رہے تھے۔ اس پر آپ نے  
ارشاد فرمایا: اے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ  
فراہم کر دیئے ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی  
مسئمت پر مطمئن رہوں۔ پھر حضرت ابوسعید خدری بیان  
کرتے ہیں کہ آپ آکر اس طرح ہمارے درمیان بیٹھ گئے کہ ہمارے اور  
آپ کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا (یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں  
سے ہیں، کوئی الگ شخصیت نہیں)۔ پھر حضور نے اس طرح اشارہ کیا،  
تہ عیالہ تھا کہ حلقہ بنا کر بیٹھو۔ لوگ اس طریقہ سے حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ  
سب کے چہرے حضور کے سامنے ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے  
منفلوک الحال مہاجرین، خوشخبری ہو تمہیں اُس مہل نور کی جو قیامت کے اند



تمہیں حاصل ہو گا۔ تم دولت مندوں سے اوسے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور آخرت کا آدھا دن دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہے۔  
(بربرافذ)

صَحَفَاءُ الْمُهَاجِرِينَ سے بڑے یہ جسمانی طور پر ضعیف اور وہیں ایسے بلکہ غریب اور خستہ حال سراویں ہیں۔ یعنی وہ مہاجرین جو بے سرو سامانی کے عالم میں صرف تن کے کپڑوں کے ساتھ اپنے گھر بار چھوڑ کر آ گئے تھے۔ ان کے پاس نہ پہنتے کو کپڑا تھا، نہ کھانے کو روٹی اور نہ سر چھپانے کو جگہ۔ لیکن دین کے ساتھ وابستگی اور قرآن سے شیعفتگی کا یہ عالم تھا کہ فارغ بیٹھے بیکار باتیں کرنے کے بجائے اللہ کا کلام سنتے اور سناتے۔

اس مقام پر اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کیوں کہی گئی کہ ان لوگوں (ضعیف مہاجرین) کی محبت پر صبر کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر کیوں ادا کیا۔ قرآن مجید میں یہ بات اُس مقام پر فرمائی گئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ مکے کے ان بڑے بڑے سرداروں اور دولت مندوں کے قبولِ حق سے انکار کی کوئی پروا نہ کرو، اور اس بات کی فکر نہیں نہ لگو کہ ان میں سے کوئی تمہاری جماعت میں آئے گا تو اس کے اثر و بدبہ اور ذاتی وجاہت سے یہ دین فروغ پائے گا۔ بلکہ اس کے برعکس جو لوگ فلس اور کنکال میں لیکن ایمان لا کر تمہارے پاس آئے ہیں ان کی محبت اور رفاقت پر مٹان ہو جاؤ۔

● ایک آدمی جب دین کی تبلیغ کا آغاز کرتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے با اثر لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہیں تاکہ ان کے قبولِ دین سے دعوتِ دین کے

۱۔ سورۃ کہف میں ارشادِ ربّانی ہے :- وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّکُمْ بِالْقَدْرِ  
وَالَّذِیْ یُرِیدُونَ وَجْہَکَ وَلَا تَنْدَ عِیْکَ عَنْهُمْ جُودَکَ رِیْسَۃَ الْحَیْوَۃِ الدُّنْیَا







ہے وہ نہ تو کوئی دانا آدمی ہے اور نہ اس کا عیس ہونا اور شیخ ہونا ہی اہمیت رکھتا ہے۔  
 آج اگر کوئی شخص شیخ ہے تو کل اس کی مشیخت ختم ہو جاتی ہے، اور اگر آج کوئی رئیس  
 ہے تو کل اس کی ریاست ختم ہو جاتی ہے اور یہی کم حیثیت، نادار اور خستہ حال لوگ  
 اس کا تختہ الٹ دیں گے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ مطمئن ہو جاؤ ان لوگوں کی معیت پر  
 جو تمہارے ساتھ آگئے ہیں اور ان سے نگاہیں نہ پھیرو۔

● نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان خستہ حال مہاجرین کو دیکھا کہ وہ بڑی محبت  
 سے قرآن سن رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے میرے ساتھ وہ لوگ  
 کر دیے ہیں جن کی معیت پر مجھے مطمئن رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حضور نے اس  
 شکر ادا کیا کہ ایسے لوگوں نے دین قبول کر لیا ہے جن کے اندر اتنی بلند جوہلی اور کردار کی پختگی ہو جو  
 تھی کہ دین کی خاطر اپنا گھر بار، بال بچے اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر نکل آئے۔  
 پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین کو یہ خوشخبری سنائی کہ قیامت کے روز  
 تمہیں مکمل نور حاصل ہوگا اور تم جنت میں دولت مندوں سے آدھے دن پہلے داخل  
 ہو گے۔ اس طرح حضور نے انہیں اس بات کی تسلی دی کہ خدا کے دین کی خاطر تم  
 نے جس طرح تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں، خطرات انگیر کیے ہیں اور غم  
 و تنگدستی کی زندگی کو اپنے گمروں کے عیش و آرام پر ترجیح دی ہے ان کے بدلے میں  
 اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز مکمل نور عطا کرے گا اور تم دولت مندوں سے  
 آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ اس آدھے دن کے متعلق یہ وضاحت فرمائی  
 کہ قیامت کا آدھا دن اس دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہوگا۔

اس چیز کے متعلق تعین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں کے آدھے دن سے  
 اور اس کے پانچ سو سال کے برابر ہونے سے کیا مراد ہے۔ حضور نے یہ بات ذہن  
 نشین کرانے کے لیے کہ آخرت میں زمانے کا معیار اس دنیا سے مختلف ہوگا، مختلف

مواقع پر مختلف مقدار میں بیان فرمائی ہیں۔ اس لیے اس معاملے میں بلاوجہ کھوج کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات آخرت میں ہی کھلے گی کہ وہاں زمان و مکان کا مفہوم کیا ہے اور اس کے بیانے کیا ہیں۔

### ۴۳۔ قرآن خوش آوازی سے پڑھو

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَزَّيْمُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ

(مَرْوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرات براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے سزین

کرو۔ (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو حسی الامکان اچھے لہجے سے اور خوش آوازی سے پڑھنا چاہیے۔ ایسے بے ڈھنگے طریقے سے نہیں پڑھنا چاہیے کہ دل اس کی طرف کھینچنے کے بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے:

گر تو قرآن بریں نمط خوانی  
بسببِ بی رونقِ مسلمانِ (سعدی)

### ۴۴۔ قرآن کو پڑھ کر بھلا دینا بہت بڑی محرومی ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَمْرٍ يَنْقُرُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ يَقُولُ مَا الْقِيَامَةُ أَجْزَمَ

(مَرْوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)



حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا ہے اور پھر اسے بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے روز اس حالت میں اُٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

(ابوداؤد، دارمی)

محدثین نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کے کٹے ہوئے ہونے سے مراد جسمانی طور پر کٹا ہوا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بات محاورۃً کہی گئی ہے اور اس سے مراد کمال بُرائی ہے۔ مثلاً جب آپ اُردو زبان میں کہتے ہیں کہ ”فلاں آدمی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے“ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ سچ مچ ہاتھوں کے طوطے ہوتے ہیں جو اڑ جاتے ہیں، بلکہ جب آدمی کمال درجہ بدحواس ہوتا ہے تو اس کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسی طرح سربل زبان میں کسی شخص کی بے بسی کی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ اس سے پہلے ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ مَحَجَّتْ لَكَ اَوْ عَلَيْنَكَ: ”یہی قرآن یا تیرے حق میں حُجَّت ہے یا تیرے خلاف حُجَّت ہے“ اب اگر ایک شخص ایمان رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے قرآن پڑھا لیکن پڑھنے کے بعد اسے بھلا دیا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہ حُجَّت کون سی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے گا۔ قرآن کو بھلا دینے کے بعد تو اس کی حُجَّت منقطع ہوگئی۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکے۔ یہ وہ بے بسی کی کیفیت ہے جس میں قیامت کے روز وہ بھلا ہوگا اور اسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

### ۴۵۔ تین دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرو

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ - (نَوَافِلُ التَّوْمِيذِ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اس شخص نے قرآن کو نہیں سمجھا، جس نے اسے تین شب دروز سے کم میں پڑھا۔

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی اس رفتار سے پڑھے کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن پڑھ ڈالے تو اس روادی کے عالم میں وہ قرآن کو کیا سمجھ سکے گا۔ اس لیے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن کم از کم تین شب دروز میں ختم کرو۔ اس سے زیادہ دنوں میں ختم کرو تو بہتر ہے لیکن اس سے کم میں نہ کرو کیونکہ اگر ایک آدمی روزانہ دس پارے کے واسطے بھی تیز پڑھے تو اس صورت میں وہ کچھ نہیں سمجھ سکے گا۔

### ۴۶۔ علانیہ اور چھپا کر قرآن پڑھنے کی مثال

عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ -

(نَوَافِلُ التَّوْمِيذِ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل



کرتے ہیں کہ جو شخص آواز بلند قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو علانیہ صدقہ دیتا ہے اور جو شخص آہستہ آواز میں قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھپا کر صدقہ دیتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)  
 مراد یہ ہے کہ مذکورہ دونوں طریقوں سے قرآن مجید پڑھنے کا ثواب بھی ہے اور فائدہ بھی ہیں۔

اگر ایک آدمی علانیہ صدقہ دے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی صدقے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ان کے دلوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص چھپا کر صدقہ دے تو اس کے اندر اخلاص کی کیفیت راسخ ہوتی ہے اور وہ دیکھ بھال سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ قرآن مجید کے چھپا کر آہستہ آواز سے پڑھنے اور بلند آواز سے پڑھنے کا ہے۔ بلند آواز سے پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ خلق خدا تک قرآن کی تعلیم پہنچتی ہے اور لوگوں میں اس کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس آہستہ آہستہ سے چھپا کر پڑھنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس طرح آدمی قرآن پورے اخلاص کے ساتھ بغیر کسی ریا کے، اللہ کو خوش کرنے سے جذبے سے پڑھتا ہے اور اس میں کسی دوسرے جذبے کی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

### ۷۔ قرآن پرایمان کس کا مستبر ہے

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَمِنَ بِالْقُرْآنِ مَنْ اسْتَحْلَحَ مَخَارِجَهُ  
 (رواه الترمذی وقال هذا حديث كُفِيَ إسناده بالقوي)  
 حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ بس یہیں رُک جاؤ  
اب آگے کا کھل نہیں ہے۔

۴۰۔ علم قرآن کی برکت سے حضرت اُبی بن کعب کا اعزاز

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لِأَبِي بِنِ كَعْبٍ : إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ  
عَلَيْكَ الْقُرْآنَ ، قَالَ اللَّهُ سَمَائِي لَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ ،  
قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؟ قَالَ نَعَمْ ،  
فَذُكِرْتُ عَيْنًا ، وَفِي رِوَايَةٍ : إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ  
أَقْرَأَ عَلَيْكَ : لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا ، قَالَ وَسَمَائِي ؟  
قَالَ نَعَمْ ، فَبَكَى . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وعلیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم  
دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سنائوں۔ حضرت اُبی بن کعب نے عرض کیا :  
کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ بات فرمائی ہے ؟ حضور نے فرمایا :  
ہاں۔ انھوں نے دوبارہ عرض کیا : کیا سچ ہے میرا ذکر اللہ رب العالمین کے  
حضور میں ہوا ؟ حضور نے ارشاد فرمایا : ہاں۔ اس پر حضرت اُبی بن کعب رضی  
اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ — ایک روایت میں رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آتے ہیں : اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں لَسْمُ  
يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا . . . . . لے پڑھ کر سنائوں۔ حضرت اُبی

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ۔



سننے میں آئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

مراد یہ ہے حضور قرآن بہت تیز نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ اس طرح آرام سے پڑھتے تھے کہ سننے والا ایک ایک حرف صاف صاف سُن سکے۔  
اگلی حدیث میں اس کی مزید تشریح آتی ہے۔

۳۹۔ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ  
قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْطَعُ قِرَاءَةً  
يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ  
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ثُمَّ يَقِفُ۔

(ہذا الحدیث ترمذی و قال لیسن اسنادہ یصحیح... و حدیث اللیث أصح)

حضرت ابن جریر حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے  
حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے  
کا طریقہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ حضور مکڑی کے ٹکڑے کے پڑھ کر پڑھ کر پڑھ کر  
تھے (یعنی ایک ایک فقرے کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے)۔ آپ  
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پڑھتے تھے پھر ٹھہرتے تھے، پھر الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ  
الْوَحِيدُ پڑھتے تھے اور پھر توقف فرماتے تھے۔ (ترمذی)

یہاں یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ حضور قرآن مجید جلدی  
جلدی نہیں پڑھتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک ہی سانس میں الْحَمْدُ لِلَّهِ سے  
وَلَا الْحَيَّ الْقَيُّومَ تک پڑھ ڈالیں، بلکہ آپ ایک ایک فقرے پڑھتے تھے۔

## ۵۔ کچھ لوگ قرآن کو وسیلہ دنیا بنالیں گے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَفِينَا الْعَرَبِيُّ وَالْعَجَمِيُّ، فَقَالَ اقْرَأُوا فِكُلُّكُمْ حَسَنٌ وَسَيِّئٌ، أَقْوَامٌ يُقِيمُونَ، وَأَقْوَامٌ كَمَا يُقَامُ الْقَدْحُ، يَتَعَجَّلُونَ، وَلَا يَتَأَجَّلُونَ.

(مراۃ ابن داذ قال بیہقی)

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم لوگ اس وقت (بیٹھے ہوئے) قرآن پڑھ رہے تھے، اور ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی۔ حضور نے ہمیں قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا: ”پڑھتے جابو، سب اچھی طرح پڑھ رہے ہیں۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو اگرچہ قرآن کو خوب محنت کے ساتھ اس انداز سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے ان کی غرض دنیوی فائدہ سے ہوں گے، آخرت ان کا مقصود نہیں ہوگی۔“ (ابوداؤد، بیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے کہ ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی، اور حضور نے ہم سب سے فرمایا کہ پڑھتے جابو، سب ٹھیک پڑھ رہے ہو، ان کا مقصود دراصل یہ بتانا تھا کہ اس جماعت میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ تھے اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کا انداز بھی جدا جدا تھا لیکن حضور نے ان سب کی تحسین فرمائی۔ — ظاہرات ہے کہ ان میں سے ہر آدمی قرآن کو بالکل صحیح طریقے سے، صحیح مخارج اور صحیح طرز ادا کے ساتھ پڑھنے



والا نہیں ہو سکتا تھا۔ بعض کی زبان یا لہجے میں کوئی فطری خامی بھی ہو سکتی تھی۔ اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کے لہجے اور انداز میں اختلاف کا پایا جانا فطری تھا لیکن حضور نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ پڑھتے جاؤ تم سب اچھی طرح پڑھ رہے ہو۔ مراد یہ تھی کہ چونکہ تم خلوص نیت کے ساتھ قرآن کو سمجھ کر پڑھ رہے ہو اور اس کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا غم رکھتے ہو اس لیے تم صحیح معنوں میں قرآن کو پڑھنے کا حق ادا کر رہے ہو، قطع نظر اس کے کہ تم تجوید کا فن جانتے ہو یا نہیں اور اسے قراءت کے اصولوں کے مطابق پڑھ رہے ہو یا نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب قرآن کو پڑھنا تو بچے گا بڑی ریاضت و مشق اور سخت محارج کے اہتمام کے ساتھ، بالکل اس طرح جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے، لیکن اس سے لوگوں کا مقصود دنیا ہوگی، آخر نہیں ہوگی۔ اس لیے وہ پڑھنا آخرت میں کسی کام نہیں آئے گا۔ البتہ تمہارا یہ پڑھنا بڑا قابلِ قدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔

### ۱۵۔ قرآن کو گوتوں اور بہن کرنے والیوں کی طرح نہ پڑھو

عَنْ مُحَمَّدٍ يَفَقَهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِقْرُؤُوا الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الصَّعَبِ وَأَصْوَاتِهَا، وَإِيَّاكُمْ وَلُحُونِ أَهْلِ الْعَشِيقِ وَلُحُونِ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ، وَسَيِّجِي بَغْدَیْ قَوْمٌ يُرْجَعُونَ بِالْقُرْآنِ تَرْمِجُ النِّسَاءِ وَالنَّوْجِ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُونَةٌ قُلُوبُهُمْ وَ قُلُوبُ الَّذِينَ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ۔

(ترجمہ) اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بِالنُّورِ الشَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ  
أَغْنِيَاءِ النَّاسِ يَنْصَفُ يَوْمَ ذَلِكَ خُمْسُ مَائَةٍ  
سَنَةٍ - (مَرَاةَ ابْنِ دَاوُدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز غریب  
اور خستہ حال مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی  
کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اوٹ لے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس  
تنہا ڈھانکنے کو پورے کپڑے نہیں تھے اور (انہی مہاجرین میں سے)  
ایک فارسی نہیں قرآن پڑھ کر سارا تھا۔ اسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم تشریف لائے اور ہمارے مجمع کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ جب حضور  
آکر کھڑے ہوئے تو جو صاحب قرآن پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔  
حضور نے ہم لوگوں کو سلام کہا اور پھر فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟  
ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب سن رہے تھے۔ اس پر آپ نے  
ارشاد فرمایا: اے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ  
فراہم کر دیئے ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی  
مسئمت پر مطمئن رہوں۔ پھر حضرت ابوسعید خدری بیان  
کرتے ہیں کہ آپ آکر اس طرح ہمارے درمیان بیٹھ گئے کہ ہمارے اور  
آپ کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا (یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں  
سے ہیں، کوئی الگ شخصیت نہیں)۔ پھر حضور نے اس طرح اشارہ کیا،  
کہ عیاہ تھا کہ حلقہ بنا کر بیٹھو۔ لوگ اس طریقہ سے حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ  
سب کے چہرے حضور کے سامنے ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے  
منفلوک الحال مہاجرین، خوشخبری ہو تمہیں اُس مہل نور کی جو قیامت کے اند



کے نہیں کرنے کے انداز میں پڑھیں گے۔ بظاہر وہ اسے بڑے ذوق و شوق اور محنت و ریاضت کے ساتھ پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور ان کے دلوں تک اس کی رسائی نہیں ہوگی۔ پھر یہی نہیں بلکہ دل ان پڑھنے والوں کے بھی فتنے میں ہوں گے — اور ان کے بھی جوان کے اس پڑھنے کو سن کر جھجھیں گے اور داد و تحسین کے ڈونگے برسائیں گے۔

صنوبر نے اس طرح کے پڑھنے والوں اور اس پر سر مٹھنے والوں کو یہ تنبیہ اس لیے فرمائی کہ یہ قرآن کوئی شاعری نہیں ہے جسے لوگ محض لطف اندوزی کے لیے پڑھیں اور واہ وا اور مہربا کا شور بلند کریں، جیسے کہ اب ہمارے ہاں قراءتوں کی محفلوں میں ہونے لگا ہے۔ بعض اوقات تو ان محفلوں میں مشاعرے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ فتنے سے خالی نہیں۔

## ۵۲۔ خوش آوازی قرآن کے محسن میں اضافہ کرتی ہے

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا. (رواه الدارقطني)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: قرآن کو اپنی (اچھی) آوازوں کے

ذریعے حسین بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کے محسن میں اضافہ کرتی ہے۔ (دامی)

اب تک مسلسل ایسی حدیثیں آئی ہیں جن میں سے اگر ایک میں قرآن کو گاکر پڑھنے سے روکا گیا ہے تو دوسری میں اسے اچھی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ گاکر پڑھنے میں اور خوش آوازی سے پڑھنے میں فرق ہے۔ اور اسی فرق

کن بنا پر ایکہ چیز ناپسندیدہ ہے اور دوسری پسندیدہ۔

### ۵۳۔ بحسن قراءت کا مفہوم کیا ہے

عَنْ طَاوُسٍ عَنْ سَلَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَى النَّاسِ أَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْآنِ وَأَحْسَنُ قِرَاءَةً، قَالَ مَنْ إِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ أُرِيَتْ أَنَّهُ يُخَشِئُ اللَّهَ. قَالَ طَاوُسٌ وَكَانَ طَلَّقَ كَذَلِكَ (تھاواؤ اللہ اور محبت)  
حضرت طاؤسؓ سے سلسلہ روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پرچیا گیا کہ کون شخص قرآن کو اچھی آواز سے اور اچھے طریقے سے پڑھنے والا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کہ جب تم اسے پڑھتے ہوئے سُنو تو تمہیں ایسا معلوم ہو کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے۔  
حضرت طاؤسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسے ہی خوش آواز اور روانی سے پڑھنے والے تھے۔ (دارقطنی)

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کے مفہوم کو نہایت عمدگی سے واضح فرمادیا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو لیکن غنانہ کرو تو لوگوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ پھر خوش آوازی سے کیا مراد ہے؟ اس پر حضورؐ نے یہ تشریح فرمائی کہ قرآن کو اس انداز سے پڑھو جس سے سننے والا یہ محسوس کرے کہ تم خدا سے ڈر رہے ہو۔

حضرت طاؤسؓ صحابی نہیں تھے کہ انہوں نے خود حضورؐ سے یہ بات سنی ہو بلکہ انہوں نے کسی صحابیؓ سے سُن کر اسے روایت کیا ہے لیکن اس صحابی کا نام بیان نہیں کیا۔ ایسی روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کہتے ہیں۔





فرمایا کہ قرآن کو تکبیر نہ بنا لو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کو تکبیر کی جگہ رکھ کر نہ سویا کر دیکھو بلکہ اس کا مفہوم بعد کے فقرے سے سامنے آتا ہے کہ قرآن سے غفلت نہ برتو۔ صبح و شام اس کی تلاوت کرو۔ اس کا ذکر عام کر دو اور اس کے مضامین میں غور و فکر کرو۔ یہ حال نہ ہو کہ قرآن آپ کے پاس موجود ہو لیکن آپ غفلت میں پڑے رہیں اور کبھی نظر اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

پھر فرمایا کہ قرآن کا ثواب جلد ہی سے (یعنی اس دنیا میں) حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، اگرچہ اس کا ثواب یقیناً ہے۔ مراد یہ ہے کہ چاہے اس دنیا ہو یا آخرت کا ثواب نہیں ملے لیکن اس کا ثواب بہر حال ہے جو آخرت میں لازماً ملنا ہے۔ دنیا میں بھی اگرچہ اس کا ثواب کبھی نہ کبھی ملتا ہے لیکن تم اسے دنیوی ثواب کی خاطر نہ چھو بلکہ آخری ثواب کی خاطر چھو۔ دنیا میں تو قرآن کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں دشمنانِ دین کی سختیوں کا نشانہ بننا پڑے لیکن آخرت میں یہ تمہارے لیے بہترین ترشد ثابت ہو گا اور وہاں کا اجر ضائع نہیں ہو سکتا۔

### ۵۵۔ ابتدا میں قرآن مقامی لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ بْنَ حَزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأَهَا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأْنَهَا فَكَذَبْتُ أَنْ أَجْحَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَهْمَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ ثُمَّ كَتَبْتُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ



إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا  
 أَقْرَأْتُ نَبِيَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 أَرْسَلَهُ، إِقْرَأْ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ  
 فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَكَذَا أُنْزِلَتْ  
 ثُمَّ قَالَ لِي إِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هَكَذَا أُنْزِلَتْ، إِنَّ  
 هَذَا الْقُرْآنُ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَاقْرَأُوا  
 مَا تيسَّرَ مِنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِسُليمان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں  
 نے حضرت ہشام بن حکیم بن حمزہ ام کو سورۃ فرقان اُس سے  
 مختلف طریقے پر پڑھتے سنا جس سے میں پڑھتا تھا، حالانکہ سورۃ  
 فرقان مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ یہاں  
 متنا کہ میں بے تابی سے اُن پر پچھٹ پڑتا کیونکہ میں نے (ممبر یا  
 اور) انہیں مہلت دی، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی قرأت مکمل  
 کر لی۔ پھر میں نے اُن کی چار پکڑی در انہیں کہیں پڑھا جو رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا۔ میں نے عرض کیا  
 یا رسول اللہ! میں نے ان کو سورۃ فرقان اس سے مختلف طریقے  
 پر پڑھتے سنا ہے جس پر کہ آپ نے پڑھائی تھی۔ اس پر  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو۔ پھر حضرت  
 ہشام سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ پناچہ انہوں نے سورۃ فرقان اُسی طرح  
 پڑھی جس طرح کہ میں نے اُن کو پڑھتے سنا تھا۔ اُن کی قرأت  
 سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح اتاری ہے۔

میں حضور نے مجھ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح اُتر رہی ہے۔ — پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں پر اُتر رہا ہے، اس لیے جس طرح سہولت جو اسی طرح پڑھو۔ (متفق علیہ)

سات حرفوں سے مراد سات تلفظ یا سات لہجے ہیں۔ عربی زبان میں اختلافِ لہجات ایک معروف چیز ہے۔ عرب کے مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کی زبان میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ اس سے زبان کے ائمہ کوئی بنیادی تغیر رونما ہو جاتا ہو۔ مقامی تلفظات، لہجات، محاورات اور زبان کے بعض دوسرے اسباب کے اختلاف کے باوجود زبان کا بنیادی سانچہ ایک ہی ہے۔ زبان کے مقامی رنگ اور اختلافات کا مشاہدہ آپ یہاں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آپ پنجاب کے مختلف حصوں میں جاتیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ضلع کی، اور بعض اوقات ایک ہی ضلع کے مختلف حصوں کی زبان مختلف ہے۔ یہی حال اُردو کا بھی ہے۔ پشاور سے لے کر مدراس تک چلے جائیے، اُردو بولنے والوں میں ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف لہجے، مختلف تلفظ اور مختلف محاورے ملتے ہیں۔ ”مہلی والوں اور لکھنؤ والوں کی زبان“، تو آپ کہتے ہی ہیں۔ اسی طرح حیدرآباد (دکن) اور پنجاب والوں کی اُردو ہے۔ ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف اسباب اختیار کرتے ہیں۔ — یہی چیز نزولِ قرآن کے وقت عرب میں بھی سنی اور آج بھی پائی جاتی ہے۔ عرب میں آپ یمن سے لے کر شام تک چلے جائیں، آپ کو لہجے اور تلفظ بدلتے



حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا ہے اور پھر اسے بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے روز اس حالت میں اُٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

(ابوداؤد، دارمی)

مذہبین نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کے کٹے ہوئے ہونے سے مراد جسمانی طور پر کٹا ہوا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بات محاورۃً کہی گئی ہے اور اس سے مراد کمال بُرائی ہے۔ مثلاً جب آپ اُردو زبان میں کہتے ہیں کہ ”فلاں آدمی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے“ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ سچ مچ ہاتھوں کے طوطے ہوتے ہیں جو اڑ جاتے ہیں، بلکہ جب آدمی کمال درجہ بدحواس ہوتا ہے تو اس کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسی طرح سربل زبان میں کسی شخص کی بے بسی کی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ اس سے پہلے ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ مَحَجَّتْ لَكَ اَوْ عَلَيْنَكَ: ”یہی قرآن یا تیرے حق میں حُجَّت ہے یا تیرے خلاف حُجَّت ہے“ اب اگر ایک شخص ایمان رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے قرآن پڑھا لیکن پڑھنے کے بعد اسے بھلا دیا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہ حُجَّت کون سی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے گا۔ قرآن کو بھلا دینے کے بعد تو اس کی حُجَّت منقطع ہوگئی۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکے۔ یہ وہ بے بسی کی کیفیت ہے جس میں قیامت کے روز وہ بھلا ہوگا اور اسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

جانا تھا۔ اس کے بعد جب وہ جا کر دوسرے لوگوں سے بیان کرتا تھا تو زبان کے مقامی اختلافات کے سبب سے اس کے بیان میں بعض جگہ لفظی رد و بدل ہو جاتا تھا لیکن اس سے نفس مضمون میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا، کیونکہ اس قوم کے محاورے کے مطابق وہ بات اس طرح ہوتی تھی جس طرح وہ ادا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ اہل عرب اپنے مقامی لہجات و تلفظات کے مطابق قرآن پڑھ سکیں۔

پیش نظر حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ یہ سمجھا کہ جس طرح انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا اسی طرح ہر آدمی کو پڑھنا چاہیے، اس لیے جب انھوں نے حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے مختلف طریقے سے قرآن پڑھتے سنا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ جتنی دیر تک وہ پڑھتے رہے یہ اپنی جگہ مضطرب رہے۔ اور وہ فارغ ہونے اور ادھر انھوں نے ان کی چادر کھینچی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اب یہ دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں کس قدر تحمل اور بردباری تھی۔ آپ نے بڑے سکون کے ساتھ ان کی بات سنی اور سمجھان کو نہایت حکمت سے سمجھا دیا کہ میں تم دونوں جس طریقے سے پڑھتے ہو وہ صحیح ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

۵۶۔ دین میں اختلاف کے حدود و آداب

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ  
وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خَلَا  
فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ  
فَعَرَفْتُ نِيَّ وَجْهَهُ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كَلَّا كَمَا مُحْسِنٌ



فَلَا تَخْتَلَفُوا فَإِنْ مَن كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتَلَفُوا فَاَهْلَكُوا  
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور اس سے پہلے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے سنا تھا۔ میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور حضورؐ کو اس بات کی خبر دی کہ یہ شخص ایک مختلف طریقے سے قرآن پڑھتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری ہے۔ (میری بات سن کر) آپؐ نے فرمایا: تم دونوں ہی ٹھیک طرح پڑھتے ہو، آپس میں اختلاف مت کرو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئیں وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابن مسعودؓ کو یہ بات سمجھائی کہ اگر اختلاف اس نوعیت کا ہو کہ اس سے اصل تعلیم یا اصل حکم نہ بدلتا ہو تو اس طرح کے اختلاف کو برداشت کرنا چاہیے۔ اگر برداشت نہ کرو گے تو آپس میں سرچڑھول کر دو گے۔ اس طرح امت میں افتراق اور پھٹنے کا دروازہ کھلے گا۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں اصل دین یا دین کا کوئی حکم تبدیل ہو رہا ہو وہاں اختلاف نہ کرنا گناہ ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے موقع پر اختلاف نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دین میں تغیر کو قبول کر لیا جائے۔ یہ ایک دوسرا فتنہ ہے جس کا سبب اب کرنا خود دین ہی کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ راسخ الایمان صحابی — شفیق نبی — کریم خدا

عَنْ أَبِي بَنْ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ  
رَجُلٌ يُصَلِّي فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ  
آخَرَ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سَوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَلَمَّا  
قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هَذَا اقْرَأَ قِرَاءَةً  
أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرَ فَقَرَأَ سَوَى قِرَاءَةِ  
صَاحِبِهِ - فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَرَأَ أَحْسَنَ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ  
وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشَيْنِي ضَرَبَ فِي  
صَدْرِي فَفَضَّتْ عَرَقًا وَكَانَ النَّظَرُ إِلَى اللَّهِ  
فَرَقًا، فَقَالَ لِي يَا أَبُي أُرْسِلْ إِلَيَّ أَنْ اقْرَأَ الْقُرْآنَ  
عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوْنٌ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ  
إِلَى الثَّانِيَةِ اقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ  
أَنْ هَوْنٌ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ اقْرَأْهُ عَلَى  
سَبْعَةِ أَحْرَفٍ وَكَانَ بِكُلِّ رَدٍّ رَدَدْتُكُمَا  
مَسْأَلَةً تَسْأَلْنِيهَا فَقُلْتُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اللَّهُمَّ  
اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَآخِرَتِ الثَّالِثَةِ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَى  
الْخَلْقِ كُلِّهِمْ حَتَّى ابْرَأَهُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
(درودِ مسلمان)



حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں  
 (ایک روز) مسجد نبویؐ میں تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور  
 نماز پڑھنے لگا۔ اس نے نماز میں قرأت اس طرح کی کہ مجھے عجیب  
 معلوم ہوئی۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اُس نے اسی قرأت کی جو  
 پہلے شخص سے بھی مختلف تھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے  
 تو ہم تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے  
 میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن مجید اس  
 طرح پڑھا ہے جو مجھے درست معلوم نہیں ہوا، اور اس دوسرے  
 شخص نے اس سے بھی مختلف طریقے سے پڑھا ہے (یہ کیا  
 معاملہ ہے؟)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو  
 (اپنے اپنے طریقے سے قرآن) پڑھ کر سنانے کا حکم دیا۔  
 ان دونوں کی قرأت سن کر حضورؐ نے انہیں درست قرار دیا۔  
 اس پر میرے دل میں تکذیب کا ایسا دوسوہ آیا کہ  
 جاہلیت کے زمانے میں بھی کبھی نہیں آیا تھا۔ جب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ کیفیت دیکھی تو آپؐ  
 نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ آپؐ کے ہاتھ مارتے ہی  
 میں پانی پانی ہو گیا اور میرے پسینے پھوٹ گئے اور مجھے ڈر  
 کے مارے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں  
 ۔۔۔۔۔ پھر حضورؐ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے  
 اُبیؓ! جب قرآن مجید میری طرف بھیجا گیا تو مجھے حکم دیا گیا  
 کہ میں اسے ایک حرف پر (یعنی ایک لہجے کے مطابق)

پڑھوں (اور وہ لہجہ قریش کا لہجہ تھا)۔ میں نے جواب میں یہ عرض کہلائی تھی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی برتی جائے — پھر پلٹ کر مجھے جواب دیا گیا کہ دو اُحرف (یعنی دو لہجوں) پر پڑھ سکتے ہو۔ میں نے پھر جواب میں عرض کیا کہ میری اُمت کے ساتھ اور نرمی برتی جائے — تیسری مرتبہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اچھا اب قرآن کو سات لہجوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہو — مزید یہ ارشاد ہوا کہ جتنی مرتبہ تم نے گزارش کی ہے اور تمہیں اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر تمہیں اتنی ہی دعائیں مانگنے کی اجازت دی جاتی ہے (اور وہ دعائیں قبول ہوں گی) — اس پر میں نے عرض کیا: اے خدا میری اُمت کو معاف کر دے — اے خدا میری اُمت کو معاف کر دے — اور تیسری دُعائیں نے اُس دن کے لیے اُٹھا رکھی جب کہ ساری مخلوق میری طرف رجوع کرے گی کہ میں خدا کے حضور ان کی شفاعت کروں) یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رجوع فرمائیں گے۔ (مسلم)

حضرت اُبی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا شمار اکابر اور افاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جانتے تھے کہ کس میں کیا کمال ہے — حضرت اُبی بن کعب کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ دو آدمی دو ایسے مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں



## ۵۔ کچھ لوگ قرآن کو وسیلہ دنیا بنالیں گے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَفِينَا الْعَرَبِيُّ وَالْعَجَمِيُّ، فَقَالَ اقْرَأُوا فِكُلُّكُمْ حَسَنٌ وَسَيِّئٌ، أَقْوَامٌ يُقِيمُونَ، وَكَأَيُّ قَوْمٍ الْقَدْحُ، يَتَعَجَّلُونَ، وَلَا يَتَأَجَّلُونَ.

(مراۃ ابن داذ قال بیہقی)

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم لوگ اس وقت (بیٹھے ہوئے) قرآن پڑھ رہے تھے، اور ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی۔ حضور نے ہمیں قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا: ”پڑھتے جابو، سب اچھی طرح پڑھ رہے ہیں۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو اگرچہ قرآن کو خوب محنت کے ساتھ اس انداز سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے ان کی غرض دنیوی فائدہ سے ہوں گے، آخرت ان کا مقصود نہیں ہوگی۔“ (ابوداؤد، بیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے کہ ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی، اور حضور نے ہم سب سے فرمایا کہ پڑھتے جابو، سب ٹھیک پڑھ رہے ہو، ان کا مقصود دراصل یہ بتانا تھا کہ اس جماعت میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ تھے اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کا انداز بھی جدا جدا تھا لیکن حضور نے ان سب کی تحسین فرمائی۔ — ظاہرات ہے کہ ان میں سے ہر آدمی قرآن کو بالکل صحیح طریقے سے، صحیح مخارج اور صحیح طرز ادا کے ساتھ پڑھنے

میں پڑ گئے ؟

یہ کبھی سمجھ لیجئے کہ محض دسویں کے آجانے سے آدمی نہ کافر ہو جاتا ہے اور نہ لازماً گنہگار ہی ہوتا ہے۔ دسوسہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ ہی اس سے بچائے تو انسان اس سے بچ سکتا ہے، ورنہ نہیں۔  
احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں اگر عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ کبھی کبھی ہمارے دل میں ایسے وساوس آتے ہیں جن کے بعد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تو عاقبت خراب ہو گئی۔ اس پر حضور نے ان سے فرمایا کہ اصل چیز یہ نہیں ہے کہ تمہارے دل میں دسوسہ نہ آئے، اصل چیز یہ ہے کہ وہ آکر تمہارے دل میں جم نہ جائے۔  
کرتی بُرا خیال آکر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کڑ نہیں ہے لیکن اگر بُرا خیال آئے اور تم اس کو دل میں جگہ دے کر اس کی پرورش کرنے لگو تو یہ چیز ایسی ہے جو آدمی کو ہلاک کرنے والی ہے۔

جب حضرت اُبی بن کعبؓ کے دل میں ایک بڑا غلط اور فتنہ انگیز قسم کھا دسوسہ آیا تو حضور نے فوراً محسوس کر لیا کہ ان کے دل میں یہ دسوسہ آیا ہے۔ اس لیے آپؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔ آپؐ کے ہاتھ مارتے ہی وہ ہوش میں آ گئے۔ انھیں احساس ہوا کہ یہ میرے دل میں کس قدر بُرا دسوسہ آیا ہے۔ خود انھی کا بیان ہے کہ یہ محسوس ہوتے ہی مجھ پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے خدا میرے ساتھ موجود ہے اور خوف کے مارے میرے پسینے چھوٹ پڑ گئے۔ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ پر یہ فوری شدید ردِ عمل دراصل اس بات کی علامت تھا کہ وہ نہایت پختہ اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان اس درجہ مضبوط نہ ہوتا تو ان



پر ایسی شدید کیفیت ظاہر کی نہ ہوتی۔  
 آدمی کا ایمان اگر مضبوط ہو اور اُس کے دل میں کوئی بُرا دوسرہ گزرسے  
 تودہ گائب جاتا ہے اور اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن  
 اگر ایک آدمی کچھ ایمان کا ہو تو بُرا دوسرہ اس کے دل میں آتا ہے اور وہ  
 اس کے ایمان کو ذرا سا ہلا کے چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ایمان کی کمزوری  
 کی وجہ سے اس سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے پھر  
 آتا ہے اور اس کے ایمان کو کچھ اور ہلا کے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ  
 ایک وقت میں اس کے پورے ایمان کو متزلزل کر کے رکھ دیتا ہے۔  
 لیکن مضبوط اور استوار ایمان والے شخص کا حال یہ نہیں ہوتا۔  
 وہ بُرا دوسرہ آنے کے بعد فوراً سنبھل جاتا ہے۔ حضرت اُبی بن  
 کعب کا ردِ عمل اسی بات کی شہادت پیش کرتا ہے۔  
 حضرت اُبی بن کعب کے سنبھلنے پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے ان کو سمجھانے کے لیے یہ دنیا سحت فرمائی کہ آغاز میں جب قرآن مجید  
 نازل ہوا تو وہ صرف اُسی لہجے اور محاورے کے مطابق قریش  
 کا تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مادری زبان تھی۔ لیکن حضور  
 نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے دوسرے لہجات کے  
 مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ درخواست کے الفاظ یہ ہیں  
 کہ: **هَاتِنَا نَبَلَىٰ اُمَّتِي** یعنی میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے بخیر  
 کا احساس یہ تھا کہ آپ کی مادری زبان سارے عرب کی مروجہ زبان نہیں  
 ہے بلکہ مختلف علاقوں اور قبیلوں کے کچھ متدی لہجے اور تلفظات ہیں۔  
 جیسے اگر ان سب لوگوں پر صرف اہل قریش ہی کے لہجات اور تلفظ کے

نے ارشاد فرمایا، قرآن کو عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھو اور بکسو  
 خبردار! اہل عشق اور اہل کتابین (یہود و نصاریٰ) کے لیے لہجے اختیار  
 نہ کرو، اور عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر یا  
 نوچے کے انداز میں پڑھیں گے۔ قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے  
 گا۔ دل ان کے بھی فتنے میں پڑے ہوں گے اور ان لوگوں کے بھی، جو اُن کے  
 طرزِ ادا کو پسند کرنے والے ہوں گے۔ (بہقی، ترمذی)

قرآن عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھنے کی تاکید فرمانے کا یہ مطلب  
 نہیں ہے کہ غیر عرب بھی قرآن کو عربی لہجے میں اور عربوں کی سی آوازوں میں پڑھیں۔  
 بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کو ایسے سادہ اور فطری طریق سے پڑھا جائے جس طرح ایک  
 عرب پڑھتا ہے۔ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھے گا تو وہ اسے اس طرح  
 پڑھے گا جیسے ہم اپنی زبان میں کسی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ اردو زبان  
 کی کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں تو ظاہر بات ہے کہ آپ بنا بنا کر اور گا گا کر نہیں  
 پڑھتے بلکہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کوئی آدمی اپنی مادری زبان کی کسی کتاب  
 کو پڑھتا ہے۔ اس سے پہلے حضور کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ قرآن کو اپنی اپنی  
 آوازوں سے مزین کرو۔ معلوم ہوا کہ اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا اور اہل عرب کے  
 سید سے سادے طریقے سے پڑھنا دونوں ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ سادہ طریقے سے  
 پڑھنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ آدمی بے ڈھنگے پن سے اور ناگوار آواز سے پڑھے۔  
 اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خبردار قرآن کو اہل عشق کے لیے لہجے میں  
 مست پڑھو۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح عشق باز لوگ غزلیں گاتے ہیں اس طرح  
 قرآن کو گا کر نہ پڑھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ عنقریب وہ لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر اور عورتوں



مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : [www.iqbalkalmati.blogspot.com](http://www.iqbalkalmati.blogspot.com)

اصلی شکل میں محفوظ موجود ہے۔ اس میں کسی طرح کا کوئی رد و بدل آج تک نہیں ہوا۔ اسی طرح مسلمان بھی وہ قوم ہے جس کے پاس اس کے نبیؐ کی سیرت، اس کے اقوال، اس کی ہدایات بالکل محفوظ چلی آرہی ہیں۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، ہمارے خدا کا ہم سے کیا مطالبہ ہے اور ہمارے رسولؐ نے ہم کو کیا راستہ بتایا ہے۔ ایک ایسی قوم اگر نافرمانی کرے اور صرف انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ بعض اوقات پوری کی پوری قوم نافرمانی کر بیٹھے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو پیس نہ ڈالے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور عظیم درگزر اور مہربانی کے سوا کیا ہے! ————— جرم کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ جرم کیا ہے اور پھر وہ جرم کر بیٹھے۔ اس صورت میں وہ ایک طرح کی نرمی کا مستحق ہوتا ہے۔ مگر ایک آدمی کو معلوم ہے کہ قانون کیا ہے اور کیا چیز اس قانون کی زد سے جرم ہے مگر اس کے باوجود وہ قانون کو توڑتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے۔ ————— یہی مثال اس وقت مسلم قوم کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ دیکھنے کہ ان تیرہ چودہ سو سال میں اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آج تک مسلمانوں پر نازل نہیں ہوا۔ اگر وہ کسی جگہ پڑے ہیں تو کسی جگہ بچے بھی رہے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اپنی امت کے حق میں درگزر اور چشم پوشی کی جو دعا مانگی تھی وہ دعائیہ واقع قبول ہوئی! —————

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اِغْنِزِ اُمَمَتِی کے الفاظ سے رسول اللہ



۵۸۔ اختلافِ لہجات سے قرآن کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے پہلے مجھے قرآن مجید ایک حرف پر پڑھوایا۔ پھر میں نے بار بار ان سے اصرار کیا اور یہ مطالبہ کرتا گیا کہ قرآن مجید دوسرے حروف پر بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ یہ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حروف تک پہنچ گئے۔ اس روایت کے راوی جناب ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ وہ سات حروف جن پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گویا ایک ہی کے بمنزلہ تھے۔ ان پر قرآن پڑھنے سے (بات ایک ہی رہتی تھی اور) حلال و حرام کا فرق واقع نہیں ہو جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

اس بات کی وضاحت گزر چکی ہے کہ اہل عرب کو سات حروف (لہجات) پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت اس بنا پر دی گئی کہ نزول قرآن کے وقت عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہیں تھا اور صرف گفتنی کے لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل تھے، اس لیے لامحالہ قرآن کی تبلیغ و اشاعت کا کام زبانی تلقین و بیان ہی سے ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید تمقیر کی شکل میں بیان فرماتے تھے اور لوگ اسے سن کر یاد کر لیتے تھے اور آگے پہنچاتے تھے۔ چونکہ عرب کے مختلف علاقوں میں مقامی بولیاں اور لہجات رائج تھے اس لیے لوگوں کو ایک سخت آزمائش اور مشکل سے بچانے کے لیے قرآن مجید مقامی لہجات و تلفظات کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ مگر یہ اجازت مستقل نہیں تھی۔ بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ یہ اجازت ختم کر دی گئی۔ آگے وہ



احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کس طرح ختم ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالہا سال کی تبلیغ و اشاعت دین کے نتیجے میں جب اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی تو اس کے اولین فرائض میں سے ایک فریضہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانا تھا کیونکہ مسلمان اور جہالت و وحشیہ دل کا یکجا تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت نے ابتدائی دور میں تو لوگوں کو دین زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے سکھایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی مسلسل کوشش کی گئی کہ پوری قوم تعلیم یافتہ ہو جائے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے زمانے میں تعلیم کا اتنے بڑے پیمانے پر کام کیا گیا کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت سو فی صدی خواندگی پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ سب بہام صرف اس لیے کیا گیا کہ لوگ قرآن پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

یعنی مسلمان کی نگاہ میں خواندگی کی اولین اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے معاملات کی نوشت و خواند کرنے کے قابل ہو جائے، یہ تو محض ایک ضمنی فائدہ ہے اصل فائدہ یہ کہ آدمی قرآن پڑھنے کے قابل ہو سکے۔ جب تک وہ قرآن پڑھنے کے قابل نہیں ہو گا اور براہ راست یہ نہیں جان سکے گا کہ اس کے خدا نے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں، وہ کس امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اس امتحان میں اس کی کامیابی کی کیا صورت ہے اور ناکامی کے اسباب کیا ہیں، اُس وقت تک وہ ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے تعلیم اسلامی معاشرے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اسلامی خلافت نے اس کام کو اپنے اولین بنیادی فریضے کی حیثیت ہی سے انجام دیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور ہی میں یہ کام



شروع کر دیا تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر جب قریش کے لوگ گرفتار ہو کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو پڑھنے لکھتے ہوں وہ ہمارے اتنے بچوں کو پڑھنا سکھادیں تو ہم ان کو کوئی فدیہ سیسے بغیر رہا کر دیں گے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں لوگوں کو خواندہ بنانے کی کیا اہمیت تھی۔

پھر جب لوگوں کو خواندہ بنا دیا گیا اور انھیں اس قابل کر دیا گیا کہ وہ پڑھ لکھ سکیں تو اس کے بعد قرآن مجید دوسرے لہجات پر پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی، اور صرف قریش کے لیے کوہ قرار رکھا گیا کیونکہ قرآن مجید قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان تھی۔ حضور کا قاعدہ یہ تھا کہ قرآن مجید جس وقت نازل ہوتا تھا آپ پہلی فرصت میں اسے کسی ایسے صحابی کو بلا کر لکھوا دیتے تھے جو لکھنے پڑھنے ہوتے تھے۔ آگے بعض احادیث میں اس کی کیفیت آتی ہے کہ قرآن مجید کس طرح جمع کیا گیا۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید آغاز میں قریش کی زبان اور محاورے کے علاوہ دوسرے جن لہجات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ بعد میں ختم کر دی گئی، نیز قرآن مجید آغاز ہی سے تحریری شکل میں کُتبت قریش کے مطابق لکھا گیا تھا۔

۵۹۔ مختلف لہجات میں قرآن پڑھنے کی اجازت ایک بہت بڑی سہولت تھی

عَنْ أَبِي بَنْ كَعْبٍ قَالَ لَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْرِيلَ فَقَالَ يَا جَبْرِيلُ إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيَّةٍ مِنْهُمْ الْعَجُوزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ



وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِي لَهُ يَقْرَأُ كِتَابًا  
 قُلْتُ، قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ  
 رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيهِ رِوَايَةٌ لِأَحْمَدَ وَأَبُو دَاوُدَ: قَالَ لَيْسَ  
 مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٍ، وَفِيهِ رِوَايَةٌ لِلنَّسَائِيِّ قَالَ إِنَّ جَبْرِئِلَ  
 وَمِيكَائِيلَ أَتَيَا فِي فَقْعَدَا جَبْرِئِلَ عَنْ يَمِينِي وَمِيكَائِيلَ  
 عَنْ يَسَارِي فَقَالَ جَبْرِئِلُ اقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَى أَحْرَفٍ  
 قَالَ مِيكَائِيلُ اسْتِزِدْهُ حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَكُلُّ  
 أَحْرَفٍ شَافٍ كَافٍ.

حضرت اُبی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور نے ان سے فرمایا کہ اے  
 جبریل! میں ایک ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو  
 اُن پر ظہر (لوگوں پر مشتمل) ہے اور پھر ان میں سے کوئی بڑھاپا ہے،  
 کوئی بہت زیادہ سن رسیدہ ہے، کوئی لڑکا ہے، کوئی لڑکی ہے،  
 کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (یا کتاب) نہیں پڑھی  
 — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل  
 علیہ السلام نے مجھے جواب دیا کہ اے محمد! قرآن سات  
 حرفوں پر نازل ہوا ہے — یہ روایت ترمذی نے  
 بیان کی ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ  
 آئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مزید یہ فرمایا کہ قرآن ان حرف  
 میں سے جس حرف پر بھی نازل ہوا ہے وہ شافی کافی ہے —  
 نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و سلم نے فرمایا: حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ میرے پاس آئے۔  
 جبریلؑ میری دائیں طرف بیٹھے اور میکائیلؑ بائیں طرف، پھر  
 حضرت جبریلؑ نے مجھ سے کہا کہ قرآن مجید ایک حرف پر یعنی  
 قریش کی زبان کے مطابق (پڑھو) — حضرت میکائیلؑ نے  
 مجھ سے کہا کہ ایک اور حرف پر پڑھنے کی اجازت مانگیے۔  
 (میں یہ اجازت مانگتا گیا) یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے  
 کی اجازت دے دی گئی اور ان میں سے ہر حرف شافی کافی ہے۔  
 (ترمذی، احمد، ابوداؤد، نسائی)

ہر حرف کے شافی کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی  
 گمراہی کا خطرہ نہیں ہے جس طرح لغت قریش کے مطابق قرآن کا پڑھنا  
 شافی کافی ہے اسی طرح دوسرے قبیلوں کی لغت میں اسے پڑھنا شافی  
 کافی ہے۔ ان میں سے کسی کے مطابق پڑھنے سے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں  
 کہ قرآن کا اصل منشاء اور مفہوم بدل جائے۔

## ۶۔ قرآن سناتے کا معاوضہ لینا غلط ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ قَاصٍ يَقْرَأُ  
 ثُمَّ يَسْأَلُ فَاُسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلَيْسَ يَسْأَلُ  
 اللَّهَ بِهِ فَإِنَّهُ سَابِغٌ أَقْوَامٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ  
 يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ - (رواهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے



واعظ پر ہوا جو قرآن پڑھتا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا۔  
 یہ دیکھ کر انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔  
 پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرما  
 سنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اسے چاہیے کہ وہ جو کچھ مانگے  
 صرف اللہ سے مانگے۔ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے  
 کہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور اس کا معاوضہ لوگوں سے مانگیں گے۔  
 (احمد ترمذی)

حدیث کا مضمون واضح ہے۔ تاہم اس مقام پر ایک بات  
 ملحوظ رہے کہ اگرچہ قرآن پڑھ کر اس کا معاوضہ مانگنا یا اسی طرح نماز  
 پڑھانے کا معاوضہ لینا شرعاً نہایت مکروہ چیز ہے اور قدیم زمانے میں  
 فقہاء اس کی کراہت پر متفق تھے، لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات پیش  
 آئے جن سے فقہاء کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا کوئی معاوضہ لینے کو قطعی ممنوع  
 رکھا گیا تو اس بات کا امکان ہے کہ مسجدوں میں پانچ وقت کی نماز باجماعت  
 کا اہتمام اور مسجدوں کی آبادی کا نظام برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے انھوں نے  
 ایک بڑی مصلحت کی خاطر اس بات کی اجازت دے دی کہ جو لوگ دن  
 میں باقاعدہ نماز اپنے وقت پر پڑھانے کی ذمہ داری قبول کریں ان کو  
 معاوضہ دیا جاسکتا ہے۔ تاہم اصولاً اب بھی یہ بات اپنی جگہ  
 قائم ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسے ذرائع پاتا ہو جن سے وہ اپنی روزی کما سکے  
 اور اس کے ساتھ مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لے  
 تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں۔ میرے نزدیک وہ امام  
 نہایت قابل قدر ہے جو مسجد کے دروازے کے باہر بیٹھ کر جوئی

ہو سکتے ہیں گے۔ ایک ہی مضمون کو عرب کے ایک حصے میں کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور دوسرے حصے میں کسی اور طرح، لیکن اس اختلاف کے باوجود معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس حدیث میں سات حرفوں سے سراسر اسی لہجات اور اسالیب وغیرہ کا اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید اگرچہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اہل عرب کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے مقامی لہجات اور تلفظ کے ساتھ بھی پڑھ سکیں۔ کیونکہ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھنے کا تو زبان کے مقامی اختلافات کے باوجود اس میں کوئی ایسا ردوبدل نہیں ہوگا جس سے معنی اور فہم تبدیل ہو جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حرام حلال ہو جائے یا حلال حرام ہو جائے۔ یا توحید کا مضمون ہو اور وہ مشرکانہ زبان میں ادا کر دیا جائے۔

یہ اجازت صرف اُس زمانے تک تھی جب قرآن ابھی عرب سے باہر نہیں نکلا تھا اور اس کو پڑھنے والے صرف عرب ہی تھے لیکن بعد میں یہ اجازت اور سہولت ختم کر دی گئی۔

اس بات کو بھی سمجھ لیجئے کہ مختلف لہجات کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کی اشاعت اس زمانے میں تحریری شکل میں نہیں ہو رہی تھی، عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور معلوم ہے کہ نزول قرآن کے وقت صرف گنتی کے پڑھنے لکھے لوگ ملتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا جو کچھ رواج ہوا وہ اسلام کے بعد ہی ہوا۔ چنانچہ اس زمانے میں لوگ قرآن زبانی سنتے اور یاد کرتے تھے۔ پھر چونکہ ان کی مادر کی زبان عربی تھی اس لیے انہیں قرآن کو یاد کرنے اور یاد رکھنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی تھی۔ ایک عرب جب قرآن سنتا تھا تو اسے اس کا پورا مضمون یاد ہو



ئے ہیں کہ اس شخص کے چہرے پر گوشت پوست نہیں ہوگا جو قرآن کو  
محض روٹی کمانے کا وسیلہ بناتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت  
کے روز بے عزت کر دے گا۔

## ۲۲۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فصل سورت ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّورَةِ حَتَّى  
يُنْزَلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔  
(دُرَرُ الْاَبْوَدِ اَوْد)

حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم ابتدا میں یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک سورت کہاں ختم ہوتی ہے  
اور دوسری کہاں سے شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ آپ پر  
بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل ہوئی۔ (ابوداؤد)

مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتوں کے آغاز و  
انجام کو معلوم کرنے میں دقت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم  
نازل کر کے یہ بتا دیا کہ جہاں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم شروع ہو اس سے یہ  
سمجھا جائے کہ یہاں ایک سورت ختم ہو گئی ہے اور دوسری شروع ہو  
رہی ہے۔ اس طرح یہ آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم دراصل ”فصل سورت“  
ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز و انجام میں فرق کرنے کے لیے  
نازل فرمائی۔ یہ قرآن مجید میں سورہ نحل کی ایک آیت کے طور پر  
بھی آتی ہے۔ مگر سب اپنے درباریوں سے کہتی ہے کہ میرے

نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک خط آیا ہے جو اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ (۱) اَللّٰهُمَّ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (اس طرح وہاں یہ اُس سورت کی ایسا بیت کے طور پر نازل ہوئی ہے لیکن دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کو سورتوں کے درمیان وصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔)

اب ہر سورت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے، بسہ اس میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۃ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا مسودہ ملا تھا اس پر اس سورہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ملی تھی۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا۔ انھوں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا خود اضافہ کر دیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں مرتب کرتے ہوئے صحابہ کرام نے کس قدر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے ہے اور وہ قیاس کر کے اسے آسانی سے سورۃ توبہ کے آغاز میں لکھ سکتے تھے، نیز وہ یہ بھی خیال کر سکتے تھے کہ ممکن ہے حضور کو اس کے لکھوانے کا خیال نہ رہا ہو، یا جس صحابی سے آپ لکھواتے تھے وہ لکھنا بھول گئے ہوں گے لیکن انھوں نے اس طرح کا کوئی قیاس نہیں کیا بلکہ جس طرح خود حضور کا لکھوایا ہوا مسودہ ملا اس کو اسی طرح سے نقل کر دیا اور اپنی طرف سے اس میں ایک شورشہ بھی نہیں بڑھایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت



کا ایسا بے نظیر انتظام کیا۔ دنیا میں اس وقت کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں کلام خداوندی بالکل اپنی اصلی صورت میں بغیر کسی آمیزش اور رد و بدل کے اس طرح محفوظ ہو یہ شرف صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔

۶۳۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن کس ذمہ داری سے حفظ کیا تھا

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَحْصٍ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ  
سُورَةَ يُوسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَّا هَذَا أَنْزِلَتْ  
فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَاللَّهِ لَقَرَأْتُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ، فَبَيْنَا  
هُوَ يَكَلِّمُهُ إِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ فَقَالَ  
أَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيَكْذِبُ بِأَلِكِتَابِ فَضَرَبَهُ  
الْحَدَّ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اجنباب علقمہؓ نے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم محص (شام) میں تھے، وہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ یوسف پڑھی تو ایک شخص نے (جو وہاں موجود تھا) کہا کہ یہ اس طرح نازل ہوئی، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے یہ سورت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی ہے اور حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تم نے ٹھیک پڑھی ہے۔ اس دوران میں جب کہ وہ اس شخص سے بات کر رہے تھے انھیں اس کے منہ سے شراب کی بو آئی۔ اس پر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ شراب پیتے ہو اور پھر قرآن سن کر اس کی

۵۔ راسخ الایمان صحابی — شفیق نبی — کریم خدا

عَنْ أَبِي بَنْ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ  
رَجُلٌ يُصَلِّي فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ  
آخَرَ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سَوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَلَمَّا  
قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هَذَا اقْرَأَ قِرَاءَةً  
أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرَ فَقَرَأَ سَوَى قِرَاءَةِ  
صَاحِبِهِ - فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَرَأَ أَحْسَنَ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ  
وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشَيْنِي ضَرَبَ فِي  
صَدْرِي فَفَضَّتْ عَرَقًا وَكَانَ النَّظَرُ إِلَى اللَّهِ  
فَرَقًا، فَقَالَ لِي يَا أَبُي أُرْسِلْ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ  
عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوْنٌ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ  
إِلَى الثَّانِيَةِ أَقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ  
أَنْ هَوْنٌ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ أَقْرَأْهُ عَلَى  
سَبْعَةِ أَحْرَفٍ وَكَانَ بِكُلِّ رَدٍّ رَدَدْتُكُمَا  
مَسْأَلَةً تَسْأَلْنِيهَا فَقُلْتُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اللَّهُمَّ  
اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَآخِرَتِ الثَّالِثَةِ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَى  
الْخَلْقِ كُلِّهِمْ حَتَّى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
(درودِ مسلمان)



یُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ  
 فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ، قَالَ تَرِيدُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ  
 إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا تَنْتَهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ  
 تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 فَتَتَّبِعُ الْقُرْآنَ فَاجْمَعُهُ، فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفَنِي  
 نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا  
 أَمَرَني بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، فَقَالَ قُلْتُ كَيْفَ  
 تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ، قَالَ هُوَ وَاللَّهُ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ  
 يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ  
 لَهُ صَدْرُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ فَتَتَّبَعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعَهُ  
 مِّنَ الْحُسْبِ وَالْخَافِ وَصَدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى  
 وَجَدْتُ الْآخِرَ سُورَةَ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُرَيْمَةَ  
 الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ، لَقَدْ  
 جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ حَتَّى خَاتَمَهُ  
 بَرَاءَةٌ فَكَانَتْ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ  
 اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتِهِ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ  
 عُمَرَ. (تَفَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زید بن ثابت انصاری بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانے  
 میں جنگ یمامہ میں کثرت سے صحابہ کرام شہید ہوئے، حضرت  
 ابو بکرؓ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت

عمر رضی بن خطاب بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے قاری (جنہیں قرآن یاد تھا اور وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے) بہت کثرت سے شہید ہوئے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے ایسی ہی دوسری جنگوں میں شہید ہوتے گئے تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے (یعنی کتابی صورت میں یکجا کرنے) کا حکم دے دیں۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ سے کہا، تم وہ کام کیسے کرو گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ عمرؓ نے مجھے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔

پھر وہ برابر مجھ سے اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمرؓ کی تھی۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا: تم ایک جوان آدمی ہو، صاحب عقل ہو، تمہارے متعلق ہمیں کوئی شبہ بھی نہیں (یعنی تم ہر طرح قابل اعتماد ہو) اور تم پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت بھی کرتے رہے ہو۔ اس لیے اب تم قرآن مجید کے اجزاء کو تلاش کر کے نکالو اور اسے یکجا جمع کر دو۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا



پڑھوں (اور وہ لہجہ قریش کا لہجہ تھا)۔ میں نے جواب میں یہ عرض کہلائی سچی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی برتی جائے — پھر پلٹ کر مجھے جواب دیا گیا کہ دو اُحرف (یعنی دو لہجوں) پر پڑھ سکتے ہو۔ میں نے پھر جواب میں عرض کیا کہ میری اُمت کے ساتھ اور نرمی برتی جائے — تیسری مرتبہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اچھا اب قرآن کو سات لہجوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہو — مزید یہ ارشاد ہوا کہ جتنی مرتبہ تم نے گزارش کی ہے اور تمہیں اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر تمہیں اتنی ہی دعائیں مانگنے کی اجازت دی جاتی ہے (اور وہ دعائیں قبول ہوں گی) — اس پر میں نے عرض کیا: اے خدا میری اُمت کو معاف کر دے — اے خدا میری اُمت کو معاف کر دے — اور تیسری دُعائیں نے اُس دن کے لیے اُٹھا رکھی جب کہ ساری مخلوق میری طرف رجوع کرے گی کہ میں خدا کے حضور ان کی شفاعت کروں) یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رجوع فرمائیں گے۔ (مسلم)

حضرت اُبی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا شمار اکابر اور افاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جانتے تھے کہ کس میں کیا کمال ہے — حضرت اُبی بن کعب کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ دو آدمی دو ایسے مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ ہی میں قرآن مجید کو مرتب کر کے کتابی شکل میں یکجا فرما دیتے۔ لیکن جب آپ نے یہ کام نہیں کیا تو اب ہم اسے کرنے کی کیسے عبرت کریں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر یہ سبجائے خود ایک اچھا کام ہے اور شریعت اور اسلام کے بنیادی تقاضوں کے مطابق ہے، اور اس کے خلاف کوئی ممانعت بھی موجود نہیں ہے تو یہ چیز اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ یہ کام مباح ہے۔ اسی وجہ سے ائمہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک یہ کام اچھا ہے۔

حضرت زید کا یہ قول کہ خدا کی قسم، اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اتنا سخت بھاری کام نہ ہوتا جتنا بھاری کام جمع قرآن کا تھا، اُن کے اس شدید احساس کی ترجمانی کرتا ہے کہ قرآن کو جمع کرنا ایک بڑی کٹھن ذمہ داری تھی۔ قرآن مجید کو مختلف جگہوں سے اکٹھا کرنا اور اس کے بعد اس کو اسی ترتیب سے لکھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تھی حقیقتاً ایک بڑی کٹھن ذمہ داری تھی اور حضرت زید کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر مجھ سے کوئی ذرہ برابر بھی غلطی ہو گئی تو آئندہ نسلوں تک قرآن کے غلط شکل میں پہنچنے کی ساری ذمہ داری مجھ پر پڑے گی۔

اسی احساس نے آپ سے یہ الفاظ کھلوائے کہ یہ بوجھ مجھ پر پہاڑ اٹھانے سے زیادہ سخت ڈالا گیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن تین ذرائع سے جمع کیا گیا:۔

ایک ذریعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید لکھوایا تھا وہ کچھ اور کی چھالوں یا سفید پتھر کی پتلی پتلی تختیوں پر لکھوایا تھا۔ حضور کا طریقہ یہ تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صحابہ کرام میں سے کسی



لکھے پڑھنے آدمی کو، جن کے لیے کتابیں وحی کا لفظ استعمال ہوتا ہے، بلا تے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس سورت یا ان آیات کو فلاں مقام پر لکھو۔ دو لکھو اگر پھر آپؐ سن لیتے تھے تاکہ اس کی صحت کا اطمینان ہو جائے۔ اس کے بعد ایک تھیلے میں یہ چیزیں ڈال دی جاتی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری زمانے میں (جیسا کہ آگے بعض احادیث آتی ہیں) یہ بھی بتا دیا کہ فلاں آیت فلاں سورت کی ہے اور فلاں آیت فلاں آیت کے بعد اور فلاں سے پہلے لکھی جائے۔ اس طرح سورتوں کی ترتیب خود حضورؐ ہی نے قائم کر دی تھی جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سورتوں میں آیات کس ترتیب سے ہیں، لیکن اس ترتیب سے آپؐ نے قرآن مجید کو ایک کتابی شکل میں نہیں لکھوایا تھا جس شکل میں وہ آج پایا جاتا ہے۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس تھیلے میں پتھر کی بوختیاں اور کھجور کی چھالیں پڑی ہوئی تھیں وہ میں نے نکالیں اور اس کے ساتھ دوسرا کام یہ کیا کہ جن لوگوں کو قرآن حفظ تھا ان کو بلا کر اور ان سے مل کر کہے ہوئے اور زبانی یاد کیے ہوئے قرآن کے درمیان مطابقت کرائی۔

ان دونوں چیزوں کی مطابقت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور اس ترتیب کے ساتھ ہے تو اسے ایک مرتب شکل میں جمع کر لیا۔

حضرت زیدؓ نے یہ جو فرمایا کہ سورہ توبہ کی آخری آیات مجھے صرف حضرت ابوخریمہ انساریؓ کے پاس ملیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آیات اس تھیلے ہی میں نہیں تھیں کیونکہ انتظام اس بات کا تھا کہ اس تھیلے میں سے جو کچھ ملے اس کو قرآن کے حافظوں سے ان کے حفظ کردہ حصوں کے ساتھ

مطابقت کرنے کے بعد لکھا جائے۔ چنانچہ ان کے قول سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے جو حافظ مجھے ملے ان میں سے سورۃ توبہ کی آخری آیات صرف حضرت ابو غزیرہؓ انصاری کو یاد تھیں۔ میں نے مقابلہ کرنے کے بعد ان کو درج کر لیا۔

### ۶۵۔ مصحف عثمانی کیسے تیار ہوا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ حَذِيفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَاوِرُ أَهْلَ الشَّامِ فِي تَحْرِيرِ مِثْنَةٍ وَادْرُبِجَانٍ مَعَ أَهْلِ الْعِصَاءِ فَأَذْنَعَ حَذِيفَةَ لِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حَذِيفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَذْنَعُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ الَّتِي لَهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكَ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ الزُّبَيْرِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ بْنُ هِشَامٍ فَتَسَخَّرُوا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّحِيطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَالْكُتُبَةُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا تَسَخَّرُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ وَ



پر ایسی شدید کیفیت ظاہر کی نہ ہوتی۔

آدمی کا ایمان اگر مضبوط ہو اور اُس کے دل میں کوئی بُرا دوسرہ گزرسے  
تو وہ گناہ جاتا ہے اور اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن  
اگر ایک آدمی کچھ ایمان کا ہو تو بُرا دوسرہ اس کے دل میں آتا ہے اور وہ  
اس کے ایمان کو ذرا سا ہلا کے چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ایمان کی کمزوری  
کی وجہ سے اس سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے پھر  
آتا ہے اور اس کے ایمان کو کچھ اور ہلا کے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ  
ایک وقت میں اس کے پورے ایمان کو متزلزل کر کے رکھ دیتا ہے۔  
لیکن مضبوط اور استوار ایمان والے شخص کا حال یہ نہیں ہوتا۔  
وہ بُرا دوسرہ آنے کے بعد فوراً سنبھل جاتا ہے۔ حضرت اُبی بن  
کعب کا ردِ عمل اسی بات کی شہادت پیش کرتا ہے۔

حضرت اُبی بن کعب کے سنبھلنے پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ان کو سمجھانے کے لیے یہ دعا سنا کر فرمائی کہ آغاز میں جب قرآن مجید  
نازل ہوا تو وہ صرف اُسی لہجے اور محاورے کے مطابق قریش  
کا تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مادری زبان تھی۔ لیکن حضور  
نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے دوسرے لہجات کے  
مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ درخواست کے الفاظ یہ ہیں  
کہ: **هَاتِنَا تَالِيَا مِثْلِي** یعنی میری امت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے جو  
کا احساس یہ تھا کہ آپ کی مادری زبان سارے عرب کی مروجہ زبان نہیں  
ہے بلکہ مختلف علاقوں اور قبیلوں کے کچھ متلی لہجے اور تلفظات ہیں۔  
یہ اگر ان سب لوگوں پر صرف اہل قریش ہی کے لہجات اور تلفظ کے

مطابق قرآن پڑھنے کو لازم کر دیا گیا تو وہ سخت آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے چنانچہ پہلی درخواست کے جواب میں یہ اجازت دے دی گئی کہ اچھا دو لہجوں میں پڑھ لیا کرو۔

اب اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہے کہ پہلی مرتبہ کی درخواست بھی اس کے جواب میں قرآن مجید سات لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت نہیں دے دی حالانکہ ارادہ سات کا تھا بلکہ دوسری اور تیسری مرتبہ درخواست کرنے کا انتظار کیا۔ اس طرح گویا حضورؐ کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ ان کے اندر نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کا کتنا احساس ہے اور اپنی اُمت کے ساتھ ان کی محبت و شفقت کا کیا عالم ہے اس لیے پہلے ایک ہی لہجہ اُتارا۔ لیکن حضورؐ کو اس بات کا احساس تھا کہ اہل عرب کے لہجات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے اگر قرآن ایک ہی لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تو لوگ سخت مشکل میں پڑ جائیں گے اور ان پر قدرتی بدایت کی تکمیل نہ ہو سکے گی اس لیے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے اس کے جواب میں اجازت دو لہجات کے ساتھ پڑھنے کی دی گئی۔ حضورؐ نے پھر عرض کیا کہ مزید نرمی فرمائی جائے۔ چنانچہ حضورؐ کے دو دفعہ اور درخواست کرنے پر سات لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا نہ چونکہ تم نے ہم سے تین مرتبہ درخواست کی ہے اور ہم نے اسے قبول کر لیا ہے اس لیے اب تمہیں سنی دیا جاتا ہے کہ تین نہ مانیں ہم



مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : [www.igbalkalmati.blogspot.com](http://www.igbalkalmati.blogspot.com)

نسخہ تیار کرانے کا اہتمام کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے اس معیار کی نسخے کے علاوہ دوسرے صحیفوں کو جلاسنے کا حکم اس لیے دیا کہ جب لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تو انھوں نے قرآن مجید کو اپنے اپنے قبیلے کی زبان کے مطابق لکھ بھی دیا۔ اگر یہ لکھتے ہوئے نسخے بعد میں محفوظ رہتے تو خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف علاقوں میں بھیجے ہوئے اس مصحف کے بارے میں کہ جس سے نقل کر کے پھر ساری اُمت میں قرآن پھیلا، مختلف شہات پیدا ہو جاتے۔ اس لیے جن جن لوگوں نے بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ لکھ لیا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایک آیت بھی لکھی ہوتی تھی وہ اس سے واپس لے لی گئی اور پھر جلا دی گئی۔ اور ایک عام حکم دے دیا گیا کہ قرآن کا یہ نسخہ جو اب باقاعدہ سرکاری اہتمام میں تیار ہوا ہے یہی اب اصل نسخہ ہے جس کو بھی آئندہ قرآن مجید نقل کرنا ہو وہ اسی نسخے سے نقل کرے۔ اس طرح آئندہ کے لیے قرآن مجید کی کتابت اسی مصحف عثمانی پر موقوف کر دی گئی اور باقی تمام صحیفے تلف کر دیئے گئے۔

یہ جو فرمایا کہ ہمیں سورۃ احزاب کی ایک آیت صرف حضرت خزیمہ انصاری کے پاس ملی تو اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو مصحف لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کاغذ زیادہ مضبوط نہیں تھا، اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ آیت کسی کمزور کاغذ پر لکھی گئی ہو اور جب اس سے نقل کرنے کی نوبت آئی تو وہ واضح طور پر پڑھنی نہیں جاسکی۔ اس لیے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ دیکھئے کہ اگرچہ حضرت زید بن ثابت کو اچھی طرح



یاد تھا کہ یہ آیت اس جگہ تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ضروری سمجھا جس کو یہ آیت یاد ہو تاکہ اس بات کا پورا اطمینان ہو جائے کہ ہاں فی الواقع یہ قرآن کی آیت ہے۔ اس تلاش کے نتیجے میں حضرت غزیرہ بن ثابت انصاری کے پاس وہ آیت نکل آئی، تب انہوں نے اس کو درج کیا۔

کتابت و حفاظت قرآن کے معاملے میں صحابہ کرام کی احتیاط کا اندازہ کیجئے کہ یہ بات یاد ہونے کے باوجود کہ میں نے یہ آیت اس وقت مسجف صدیقی میں لکھی تھی، اور یہ بھی کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا ہے لیکن پھر بھی محض اپنے حفظ اور یاد کے اعتماد پر اس کو اس وقت تک لکھا نہیں جب تک کہ ایک آدمی مزید اس بات کی شہادت دینے والا نہ مل گیا کہ ہاں یہ آیت اس جگہ تھی، اور یہ اسی سورت کا حصہ ہے۔

۶۶۔ سورتوں کی ترتیب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُمَانَ مَا حَمَلَكُمُ عَلَى أَنْ عَمِدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمُشَاتِي قَوْلِي بَرَاءَةً وَهِيَ مِنَ الْمَلِيئِينَ فَقَرْنَتْهُ بَيْنَهُمَا وَكُنْتُمْ تَكْتَبُوا اسْطَرِبْسِمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبْعِ الطَّوْلِ مَا حَمَلَكُمُ عَلَى ذَلِكَ قَالَ عُمَانُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِي عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ نَزِيلٌ عَلَيْهِ

السُّورَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا  
بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعُوا هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ  
فِي السُّورَةِ الَّتِي يَذْكُرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا أَوْ كَانَتْ الْأَنْفَالُ  
مِنْ أَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةً  
مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُولًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً  
بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَلَمْ يَبَيِّنْ لَنَا أَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَرَنَتْ  
بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ سَطْرًا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ.

وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عثمان  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، یہ کیا بات ہے کہ آپ نے سورۃ  
انفال کو سورۃ توبہ کے ساتھ ملا دیا حالانکہ سورۃ انفال کی آیتیں  
۵۷ ہیں اور سورۃ توبہ کی سو سے زیادہ ہیں (اور قرآن مجید کے  
آغاز میں انہی سورتوں کو رکھا گیا ہے جو سو سے زیادہ آیات  
پر مشتمل ہیں) اور پھر ان دونوں سورتوں کے درمیان آپ نے  
بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی؟ — کیا وجہ ہے کہ آپ  
نے اس سورۃ انفال کو ابتدائی سات بڑی سورتوں کے اندر  
شامل کر دیا (حالانکہ اس کی آیتیں سو سے کم ہیں)؟ —  
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ لمبی



سورتوں کے نزول کے زمانے میں جب آپؐ پر کچھ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپؐ کا تبیین وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آیت آپؐ پر نازل ہوتی تو آپؐ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اب سورہ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں اور سورہ براءۃ (توبہ) آخری زمانے کی سورتوں میں سے ہے، اور ان دونوں سورتوں کا مضمون اگرچہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہم سے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ سورہ انفال سورہ توبہ کا ایک حصہ ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ رکھتے ہوئے انھیں ساتھ ساتھ بھی رکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی، اور اس کو سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا۔

(احمدہ ترمذی - ابوداؤد)

حنوفی کا یہ ارشاد کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ سورتوں کے نام کیسے رکھے گئے۔ سورتوں کے ناموں کا تعین اس بات سے نہیں کیا گیا کہ اس میں فلاں فلاں موضوعات زیر بحث آئے ہیں (کیونکہ موضوعات و مضامین کے تنوع کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا) بلکہ مختلف سورتوں

احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کس طرح ختم ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالہا سال کی تبلیغ و اشاعت دین کے نتیجے میں جب اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی تو اس کے اولین فرائض میں سے ایک فریضہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانا تھا کیونکہ مسلمان اور جہالت و وحشیہ دل کا یکجا تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت نے ابتدائی دور میں تو لوگوں کو دین زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے سکھایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی مسلسل کوشش کی گئی کہ پوری قوم تعلیم یافتہ ہو جائے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے زمانے میں تعلیم کا اتنے بڑے پیمانے پر کام کیا گیا کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت سو فی صدی خواندگی پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ سب بہام صرف اس لیے کیا گیا کہ لوگ قرآن پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

یعنی مسلمان کی نگاہ میں خواندگی کی اولین اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے معاملات کی نوشت و خواند کرنے کے قابل ہو جائے، یہ تو محض ایک ضمنی فائدہ ہے اصل فائدہ یہ کہ آدمی قرآن پڑھنے کے قابل ہو سکے۔ جب تک وہ قرآن پڑھنے کے قابل نہیں ہو گا اور براہ راست یہ نہیں جان سکے گا کہ اس کے خدا نے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں، وہ کس امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اس امتحان میں اس کی کامیابی کی کیا صورت ہے اور ناکامی کے اسباب کیا ہیں، اُس وقت تک وہ ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے تعلیم اسلامی معاشرے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اسلامی خلافت نے اس کام کو اپنے اولین بنیادی فریضے کی حیثیت ہی سے انجام دیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور ہی میں یہ کام



درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی نہیں لکھی گئی، اس کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وضاحت فرمائی کہ مضمون کی مشابہت کی بناء پر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تو رکھا گیا لیکن ان کو ایک ہی سورت نہیں بنایا گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔ سمجھ چکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھواٹے ہوئے صحیفوں میں سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی نہیں ملی اس لیے مصحف عثمانی میں بھی یہ نہیں لکھی گئی۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے قرآن مجید جمع کرنے میں کس قدر احتیاط سے کلام لیا اور اس نازک فریضے سے کس فتنہ داری سے عمدہ برآ ہوئے۔

---

